معین الدین عقیل *

# عالمِ اسلام میں طباعت کا آغاز اور تذبذب: جنوبی ایشیا میں فارسی طباعت کے عروج و زوال کا مطالعہ

**دنیاے اسلام، مخطوطات سے مطبوعات تک:**

طباعت نے ابلاغِ علم میں جو انقلاب برپا کردیا تھا، اور مغربی عیسائی دنیا نے عہدِ وسطیٰ میں اپنی مذہبی زندگی کی تشکیلِ نو میں اس وسیلے کو استعمال کرتے ہوئے جو فوائد حاصل کرنے شروع کردیے تھے[1]، اسلامی دنیا ابھی ان سے محروم تھی اور انیسویں صدی کے اوائل تک، عیسائی دنیا سے چار صدیوں کے بعد بھی، اس میں طباعت کا آغاز نہ ہوسکا تھا۔ اسلامی دنیا کے ان ممالک میں، جہاں اسلامی اقتدار کو مغربی توسیع پسندی سے خطرات لاحق تھے، جیسے ترکی، مصر اور پھر ایران، وہاں مطابع اگرچہ انیسویں صدی کے آغاز میں قائم ہونے شروع ہوگئے تھے، لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر تک یہاں طباعت عام نہ ہوسکی تھی۔ لیکن جنوبی ایشیا میں صورتِ حال قدرے مختلف تھی۔

واقعہ یہ نہیں تھا کہ مسلمان طباعت سے واقف نہیں ہوئے تھے[2]۔ ترکی میں ۱۴۹۳ء تک اسپین سے آنے والے یہودی آبادکاروں نے اپنے مطابع قائم کر کے اپنی مذہبی اور کچھ علمی کتابیں شائع کرنی شروع کردی تھیں اور دیگر اسلامی ملکوں میں بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے مطابع سے کام لینا شروع کردیا تھا۔

اس کا سبب یہ بھی نہیں تھا کہ دنیاے اسلام کی زبانوں کے رسم الخط کی متحرک حرفی طباعت کے لیے الفاظ میں چار مختلف صورتوں میں تقسیم کا عمل انھیں نسبتاً مشکل لگا ہو، جب کہ پندرھویں صدی میں قرآن عربی رسم الخط میں شائع ہو چکا تھا[۳] اور سولھویں صدی میں شام کے عیسائی باشندے عربی کتابوں کی اشاعت کے لیے مطابع استعمال کرنے لگے تھے[۴]۔

مسلمانوں کا حفظ ،علمِ سینہ اور خطاطی وکتابت کی ان کی اپنی منفرد اور قابلِ فخر روایات نے مسلمانوں کے لیے طباعت کو قابلِ قبول نہ بنایا۔ طباعت کے لیے مخطوطے یا مسودے کی نقل نویسی میں جو اغلاط روا رہ جاتیں، وہ ان کے لیے گوارا نہ تھیں۔ خود مصنف کا لکھا ہوا ان کے لیے قابلِ اعتبار تھا اور استناد رکھتا تھا۔ پھر طباعت کے عمل میں روا رہنے والی بدصورتی اس وقت مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق سے قطعی مختلف تھی اور قرآن کی حد تک حد سے زیادہ احتیاط اور حسن کاری کی مستحکم و مستقل روایت نے طباعت کو اختیار کرنے کے خیال کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ کیوں کہ وینس (اٹلی) سے ۱۵۲۷ء میں شائع ہونے والے قرآن میں بعض حروف ، جیسے 'د' اور 'ذ' وغیرہ کے درمیان امتیاز برقرار نہ رہ سکا تھا[۵]۔ مگر یہ ابتدائی تجرباتی عمل تھا، بعد میں صورت حال بہتر ہوتی رہی ، لیکن مسلمانوں کا ذہن ایک عرصہ تک طباعت کو گوارا نہ کر سکا۔ شاید اس گریز پائی کے اس رویے میں ان کا یہ خیال بھی کارفرما رہا کہ کفار کی اس ایجاد کا استعمال کفر میں ان کی شرکت یا کفر کی معاونت کے مساوی رہے گا[۶]۔ لیکن اس مرحلہ پر، یہ رویہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، قدامت پرست عیسائی یا کیتھولک بھی طباعت کے آغاز کے ایک عرصہ بعد تک اس کی راہ میں اسی طرح مزاحم رہ چکے تھے۔[۷]

اگرچہ مذہبی کتابوں کی اشاعت خود دنیاے اسلام میں متعدد ملکوں کے لیے ناقابلِ قبول تھی ، لیکن ترکی، عہدِ زار کے روس اور ہندوستان کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ یہاں انیسویں صدی کے اوائل میں مذہبی کتابوں کی اشاعت شروع ہوگئی ۔ 'وہابی' اولین مسلمان تھے ، جو حج کے لیے دخانی کشتیوں اور جہاد کے لیے آتشیں اسلحہ کے استعمال کے آغاز کی طرح، اپنے خیالات کی عام اشاعت کے لیے طباعت کے جدید وسیلے کو اختیار کرنے میں مذبذب نہ ہوئے۔[۸] چناں چہ مسلمان دانش وروں اور ان کے زیرِ اثر حکومتوں کا رویہ کچھ عرصے میں طباعت کے حق میں استوار ہوگیا۔ وہ یورپ میں طباعت کے مفید اثرات





کو دیکھتے ہوئے اسے نہ صرف علوم کی ترقی اور معاشرتی اصلاح کے لیے بلکہ علومِ اسلامیہ کے فروغ کی خاطر عالمِ اسلام کے لیے ناگزیر سمجھنے لگے تھے۔[۹] ان کے متوازی حکمران طبقے نے طباعت کو اپنی حکمت عملی کے نفاذ اور اس کی کامیابی کے لیے بطور وسیلہ وہتھیار اختیار کرنا قرین مصلحت سمجھا۔ ترکی میں اولاً سلطان مراد سوم (۱۵۴۶ء۔ ۱۵۹۵ء) نے اکتوبر ۱۵۸۸ء میں یورپی تاجروں کو عربی رسم الخط میں مطبوعہ کتابوں کو ترکی میں درآمد کرنے کی اجازت دے دی[۱۰] اور سلطان احمد سوم (۱۶۷۳ء۔ ۱۷۳۶ء) نے اس اقدام سے آگے بڑھ کر ۱۷۲۷ء میں اپنی قلمرو میں مطابع کے قیام کی اجازت بھی دے دی، لیکن یہ اجازت صرف غیر مذہبی کتابوں تک محدود تھی۔[۱۱] اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر ابراہیم متفرقہ (۱۶۷۰ء۔۱۷۴۵ء) نے، جو ہنگری سے آکر استنبول میں بس گیا تھا اور اسلام بھی قبول کر لیا تھا، ۱۷۲۷ء میں دنیاے اسلام کا پہلا مطبع قائم کیا ۔ یہاں سے محض تاریخی اور سائنسی کتابوں کی اشاعت کے باوجود علما اور عام مسلمانوں کی جانب سے اس کی اتنی شدید مخالفت ہوئی کہ ۱۷۴۲ء کے بعد یہ مطبع قائم نہ رہ سکا، بند ہوگیا۔[۱۲]

ترکی میں طباعت کا عمل، محدود اور مختصر مدت تک رہنے کے باوجود ،دنیاے اسلام کے لیے مؤثر اور محرک ثابت ہوا۔ یورپ سے عربی مطبوعات کی درآمد کے ساتھ ساتھ لبنان میں ۱۷۳۴ء میں عربی میں طباعت شروع ہوگئی[۱۳]، لیکن یہاں سے شائع ہونے والی کتابیں عیسائیت اور اس کی تبلیغ کے لیے مخصوص تھیں اور یہ محدود تعداد میں شائع ہوئیں۔[۱۴] اس وقت حالات ایسے تھے کہ عرب دنیا نے یورپی افکار سے اثرات قبول کرنے شروع کر دیے تھے۔ یہی اثرات تھے جنھوں نے اس وقت کی دنیاے اسلام میں ترکی اور مصر کو سب سے پہلے متاثر کیا۔ مصر میں ، خلفاے عباسیہ کے دارالترجمہ کی روایت کا ایک اگلا اور مؤثر اقدام طباعت کے شروع ہونے پر محمد علی پاشا (۱۷۸۶ء۔ ۱۸۴۹ء) کے دورِ حکمرانی میں نظر آتا ہے، جب حکومت کی سرپرستی میں قائم دارالترجمہ نے مغربی تصانیف کے ترجمے کرانے شروع کیے اور ۱۸۲۲ء اور ۱۸۴۲ء کے عرصے میں ۲۴۳ کتابیں قاہرہ میں شائع ہوئیں۔[۱۵] یہ اگرچہ عربی زبان کے مرکز قاہرہ میں شائع ہوئیں، لیکن ان میں سے تقریباً نصف ترکی زبان میں تھیں۔ حکومت کی سرپرستی میں یہاں ۱۸۱۹ء سے سرکاری مطبع نے طباعت کا کام شروع کر دیا تھا۔[۱۶]

ایران میں بھی طباعت حکمراں طبقے کی توجہ کے باعث شروع ہوئی اور اس کا آغاز، مصر سے کچھ پہلے، ۱۸۱۶ء میں عباس مرزا، نائب السلطنت (۱۷۸۹ء-۱۸۳۳ء) نے تبریز میں ایک مطبع قائم کر کے کیا۔[۱۷] قریب قریب اسی وقت عبدالوہاب معتمد الدولہ (متوفی ۱۸۲۷ء) نے تہران میں ایک مطبع قائم کیا۔[۱۸] یہ مطابع حکمراں طبقے کی طباعت میں اس دلچسپی کے مظہر ہیں، جس کا آغاز کئی سال قبل ۱۷۸۴ء میں اس وقت دیکھا جاسکتا ہے، جب عباس مرزا نے جعفر شیرازی کو ماسکو اور اسد آغا تبریزی (جس کے والد اور بھائی کا ایک مطبع، ایک روایت کے مطابق، پہلے ہی تبریز میں قائم تھا) کے بیان کے مطابق، مرزا صالح شیرازی (متوفی ۱۸۳۹ء)، وزیر تہران نے فارس کے ایک باشندے مرزا اسد اللہ کو سینٹ پیٹرس برگ بھیجا تھا تاکہ وہ سنگی طباعت کا فن سیکھ سکے۔[۱۹] مرزا اسد اللہ کی واپسی پر تبریز میں پہلا سنگی مطبع قائم ہوا، جو پانچ سال کے بعد تہران منتقل کردیا گیا۔ ۱۸۲۷ء میں زین العابدین تبریزی کے زیر اہتمام بھی تبریز میں ایک مطبع کے قیام کا پتا چلتا ہے۔[۲۰] کچھ ہی عرصے میں ایران کے دیگر شہروں میں بھی مطابع قائم ہونے لگے۔[۲۱] محض تبریز میں، جو اس وقت ایران کا سب سے بڑا شہر تھا، ۱۸۴۶ء میں کم از کم ۱۶ مطابع کام کر رہے تھے۔[۲۲]

**جنوبی ایشیا میں ابتدائی طباعتی سرگرمیاں: فارسی طباعت کا آغاز:**

ترکی، مصر اور ایران کے مقابلے میں جنوبی ایشیا[۲۳] میں صورتِ حال مختلف تھی۔ یہاں کے مسلمانوں کا رویہ بھی دنیاے اسلام کے دیگر مسلمانوں سے مختلف نہ تھا، لیکن وہ اس کی افادیت کے منکر نہ تھے۔ چناں چہ مغل حکمرانوں میں سے جہانگیر (۱۶۰۵ء-۱۶۲۷ء) کو جب جیسوٹ (Jesuits) مبلغین نے عربی میں اٹلی میں طبع شدہ انجیل کا ایک نسخہ دکھایا، تو جہانگیر نے ان سے نستعلیق میں ٹائپ ڈھالنے کے امکانات پر گفتگو کی تھی۔[۲۴] لیکن دوسری جانب شاہجہاں (۱۶۲۸ء-۱۶۵۷ء) کے ایک وزیر سعد اللہ خاں (متوفی ۱۶۷۶ء) کو ۱۶۵۱ء میں جب ایک مطبوعہ عربی کتاب بطور تحفہ پیش کی گئی تو اس نے اسے لینے سے انکار کردیا۔[۲۵] یہی رویہ رہا کہ طباعت کے مروج ہوجانے پر بھی، دو تین دہائیوں تک، نستعلیق یا نسخ کے شیدائیوں میں طباعت کو خود اختیار کرنے کا احساس عام نہ ہوسکا۔ چناں چہ انیسویں صدی کے اوائل تک، ایک دو مستثنیات سے قطع نظر، جنوبی ایشیا میں جو بھی طباعتی سرگرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں،





وہ سب غیر ملکی افراد، تبلیغی اداروں یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے عمال کی کوششوں کے باوصف تھیں اور اگرچہ مقامی افراد کی کوششوں کے نتیجے میں اسلامی ورثے کی حامل زبانوں: عربی، فارسی اور اردو میں طباعت اٹھارویں صدی کی تیسری دہائی میں عام ہوسکی، لیکن یہاں اس کا آغاز سولھویں صدی کے وسط (۱۵۵۶ء) سے ہوچکا تھا۔[۲۶] اس وقت تک ان زبانوں میں طباعت کے نمونے ان کتابوں تک محدود تھے، جو یورپ کے مختلف مقامات پر شائع ہوتی رہیں[۲۷] اور یہ مقامی زبانوں کی ان مطبوعات میں جزوی عبارتوں یا الفاظ کی شمولیت تک مخصوص تھے، جو یہاں کے مختلف مقامات پر قائم ہونے والے مطابع میں شائع ہوئیں۔[۲۸] لیکن برطانیہ کے زیرِ اقتدار علاقوں میں طباعت کے آغاز و فروغ کی رفتار سست رہی۔ یہاں اوّلین مطبع ۱۷۶۱ء میں پانڈی چری میں فرانسیسیوں کی شکست کے نتیجے میں مالِ غنیمت کے طور پر انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ یہ مطبع مدراس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرکاری احکام اور جنتریوں کی طباعت میں کام آنے لگا۔[۲۹] مگر فارسی میں طباعت کا تسلسل اور مستقل یا مکمل کتابوں کی اشاعت اس وقت ممکن ہوسکی، جب مطابع کلکتہ میں قائم ہوئے اور ان مطابع نے اپنی اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کے تحت فارسی (اور اردو) میں طباعت کا خاص فنی اہتمام کیا۔[۳۰]

جنوبی ایشیا میں طباعت کو اس وقت تک سرکاری سرپرستی حاصل نہیں تھی۔ یہاں مطابع کے قیام کی دو سو سے زائد سالوں پر مشتمل تاریخ میں جو بھی طباعتی سرگرمیاں سامنے آئیں، وہ زیادہ تر عیسائی تبلیغی جماعتوں کے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کردہ مطابع کے باعث تھیں یا چند تاجرانہ مطابع بھی وقتاً فوقتاً اس ضمن میں سرگرم رہے۔ پھر ایسے جو مطابع قائم تھے وہ صرف ان عیسائی انجمنوں کے قائم کردہ اداروں یا ان کی آبادیوں میں کام کر رہے تھے اور ان کی مطبوعات کے موضوعات بھی ان کے مقاصد ہی کی تکمیل کے لیے مخصوص تھے۔ محض چند مطبوعات ایسی تھیں، جن پر تبلیغی یا مذہبی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ طب یا پھر جغرافیہ و تاریخ سے تعلق رکھتی تھیں اور بالعموم متعلقہ ادارے یا طابع کے اپنے ملک کی زبان میں چھاپی جاتیں۔ ان مطابع نے اگرچہ مقامی زبانوں میں بھی کتابیں اور جنتریاں وغیرہ چھاپنی شروع کردی تھیں مگر نسخ یا نستعلیق میں طباعت کا تسلسل تو دراصل اس وقت قائم ہوا جب مطابع کلکتہ میں قائم ہوئے، جو مغرب کی ایک مستحکم اور ترقی یافتہ طاقت برطانیہ کے زیر نگیں آچکا تھا اور جنوبی

ایشیا میں اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں اس کا ایک ایسا مرکز بن گیا تھا، جہاں یورپی افکار اور تازہ ایجادات سے تربیت یافتہ افراد، علما اور مدبرین کی ایک خاصی تعداد اس وقت جمع ہوگئی تھی اور ان میں سے چند افراد کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں سے یہاں مقامی زبانوں کے رسم الخط میں متحرک حرفی طباعت کی ممکنہ سہولتوں سے آراستہ مطابع نے کام شروع کر دیا تھا۔ اس وقت ان کوششوں اور مطابع کے قیام کو سرکاری سرپرستی حاصل نہ تھی۔ نہ اس ابتدائی مرحلے میں عیسائی تبلیغی انجمنوں کی یہاں اپنی طویل طباعتی سرگرمیوں کی روایت یا تجربہ ہی اس وقت روبہ عمل آیا۔ کلکتہ میں مطابع کی ابتدائی دو دہائیوں کی سرگرمیوں کے بعد کہیں عیسائی تبلیغی انجمنوں کو اس جانب آنے کا موقع ملا یا اجازت حاصل ہوئی۔[۳۱] اس وقت تک یہاں مطابع کا قیام اور ان میں طباعت کا اہتمام اور پھر مقامی زبانوں میں طباعت کے تجربوں کا سارا دارو مدار انفرادی دلچسپیوں تک محدود رہا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب برطانوی اقتدار کو بنگال میں یہاں کے آزاد و خودمختار حکمراں سراج الدولہ (۱۷۳۳ء۔۱۷۵۷ء) کو جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) میں شکست دینے کے بعد اپنے قدم اس طرح مضبوطی سے جمانے کا موقع مل گیا تھا، جو بعد میں سارے جنوبی ایشیا کو اس کے زیر اقتدار لانے کا سبب بن گیا۔ اب اس کے سامنے ایک وسیع تر علاقہ تھا جس پر استحکام حاصل کرنے اور اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے اسے جن ذرائع کو اختیار کرنا اور جن نئی یورپی ایجادات سے معاونت حاصل کرنا تھا، ان میں، اس وقت، اسلحہ اور ہتھیاروں کے بعد، دراصل مطبع ہی نے اس کے عزائم کی راہ ہموار کی۔ حال آنکہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے حکمت سازوں کو اس مرحلے پر نہ اپنے محکوم باشندوں کو مطبع کے فوائد سے ہمکنار کرنے کا خیال آیا تھا، نہ وہ اپنے ہم نسل افراد کو یہاں خود پر تنقید کا کوئی ذریعہ فراہم کرنے کے حق میں تھے۔ بلکہ خود حکومت برطانیہ، برطانیہ میں مطابع کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی تھی اور اسے محدود رکھنے کے حق میں تھی[۳۲]، چناں چہ جنوبی ایشیا میں نجی مطابع کے قیام کے ایک عرصہ بعد تک نہ اس نے خود اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اپنا مطبع قائم کیا نہ اپنے عمال کو اجازت دی کہ وہ کمپنی کی ملازمت میں رہتے ہوئے کوئی مطبع قائم کر سکیں یا کسی مطبع یا جریدے سے تعلق ہی رکھ سکیں۔[۳۳] اس لیے اپنی انتظامی ضرورتوں کے باوجود طباعت کا کام وہ ان مطابع سے لیتے رہے، جو نجی ملکیتوں میں





تھے۔[۳۴] یہ تو بنگال میں قدم جمانے کے بعد جلد ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کو وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings، ۱۷۳۲ء۔۱۸۱۸ء) جیسا روشن خیال مدبر و منتظم ہاتھ آ گیا تھا، جس نے اپنے زمانہ نظامت بنگال (۱۷۷۲ء۔۱۷۸۵ء) میں جہاں اس وقت موجود لائق مستشرقین کی علمی و تالیفی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی، وہیں ۱۷۸۱ء میں ''مدرسہ عالیہ کلکتہ'' کے قیام میں معاونت اور ۱۷۸۴ء میں ''ایشیاٹک سوسائٹی بنگال'' کے قیام کی راہ ہموار کی۔[۳۵] اس کی ایسی ہی حوصلہ افزائیوں کے باوصف نہ صرف مشرقی علوم کی تحقیقات کو تحریک ملی بلکہ یہ تحقیقات طباعت واشاعت کے دائرے میں بھی داخل ہوئیں۔ پھر یہی زمانہ تھا جب کلکتہ اپنے وقت کے سب سے بڑے مستشرق ولیم جونز (William Jones، ۱۷۴۶ء۔۱۷۹۴ء) کی آمد (۱۷۸۳ء) اور اس کی کوشش سے ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام کے نتیجہ میں مستشرقین کی بڑی آماجگاہ اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ جونز اور اس کے ہم عصر ساتھیوں نے فارسی کے مطالعہ، تراجم اور قواعد و فرہنگ نویسی پر بھی خاص توجہ دی۔[۳۶]

ان تمام یورپی اقوام کے لیے، جو کسی بھی مقصد کی تکمیل کے لیے جنوبی ایشیا آتے رہے، فارسی زبان کا سیکھنا ناگزیر رہا۔ انھیں یہاں فارسی کی حیثیت کا خوب اندازہ اور تجربہ ہوتا رہا۔ اعلیٰ سرکاری عمال اور حکام سے کامیاب ابلاغ کے لیے یہ ایک مؤثر وسیلہ تھی۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے اس زبان کو صرف ادائے مطلب کے لیے اختیار کرنا ہی ان کے لیے ضروری نہیں تھا، بلکہ اس میں اتنی مہارت بھی ان کے لیے ضروری تھی کہ اعلیٰ سطحی قانونی معاملات اور سرکاری و سفارتی مراسلت کے لیے بھی وہ اسے استعمال کر سکیں۔ اسی ضرورت نے ان میں سے بعض کے تحقیقی و تصنیفی ذوق کی آبیاری بھی کی۔ قواعد اور لغات کے ساتھ ساتھ تاریخی وادبی متون کے تراجم ان کے اسی ذوق کے مظہر تھے۔[۳۷] جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) میں کامیابی کے بعد سیاسی مصالح کے تحت ان میں اس زبان سے ضروری واقفیت حاصل کرنے کا احساس مزید بڑھ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ سارے سرکاری معاملات میں مقامی افراد سے مدد نہیں لے سکتے تھے اور نہ ہی ان پر اعتماد کر سکتے تھے۔ یہی ضرورت تھی جس نے ان مستشرقین سے فارسی کی متعدد قواعد و لغات مرتب کروائیں اور ایسی ہی وسیع تر ضرورت نے انھیں ''فورٹ ولیم کالج'' کے قیام کی تحریک دی، جو ۱۸۰۰ء میں قائم کیا گیا۔[۳۸] اگر اس کالج کا قیام خود کو

مقامی زبانوں کے ہتھیار سے مسلح کرنے کے لیے عمل میں لایا گیا تھا، تو قبل ازیں وہ ''مدرسۂ عالیہ'' (کلکتہ) قائم کرکے مسلمانوں کے شرعی اور نافذ العمل قوانین کے مطالعہ کی جانب قدم اٹھا چکے تھے۔ یہ دونوں ادارے ان کے لیے گوناگوں فوائد کا باعث بنے۔ رائج الوقت قوانین سے ان کی واقفیت انتہائی ضروری تھی۔ اسلامی قوانین کے مجموعے ''ہدایہ'' (عربی)، مولفہ برہان الدین علی کے فارسی ترجمہ از غلام یحییٰ کے ۱۷۷۸ء میں انگریزی ترجمہ از چارلس ہملٹن (Charles Hamilton) جیسے تراجم کی تحریک و سرپرستی ان کی اسی ضرورت کا مظہر تھی۔[۳۹] اسی اہمیت کے پیشِ نظر وارن ہیسٹنگز نے، جو ہندوستان آنے سے قبل اوکسفرڈ یونیورسٹی میں فارسی زبان کے حق میں تحریک چلا چکا تھا[۴۰]، اور فورٹ ولیم کالج کے قیام کے وقت اگرچہ ہندوستان میں نہیں تھا، لیکن اس کالج کے نصاب میں فارسی اور عربی کو ترجیح اور ضروری اہمیت دینے کے زبردست حق میں تھا۔[۴۱] فارسی کی اسی حیثیت اور اہمیت نے لسانیات کا ذوق رکھنے والوں سے نہ صرف قواعد اور فرہنگیں مرتب کروائیں بلکہ بڑھتی ہوئی ضرورتوں نے طباعت کے ذرائع اختیار کرنے پر بھی انھیں راغب کیا۔ چناں چہ جنوبی ایشیا میں فارسی طباعت کی مذکورہ ابتدائی مثالوں سے قطع نظر، اس کا اولین باقاعدہ اہتمام ایک لائق مستشرق چارلس ولکنس (Charles Wilkins، ۱۷۵۰ء۔ ۱۸۳۶ء) کی اس شعوری کوشش میں دیکھا جاسکتا ہے جو اس نے نستعلیق حروف کو بلاک کی شکل میں ڈھالنے کے لیے انجام دیں اور اس مرحلے پر خاصی کامیابی حاصل کی۔ وہ ایک لائق مستشرق کے ساتھ ساتھ بنگالی طباعت کے بانی کی شہرت بھی رکھتا ہے۔ طباعتی امور کا وہ نہ صرف ایک ہنرمند تھا، بلکہ مطبع کا منتظم، خطاط، نقاش، کندہ کار اور حروف تراش بھی تھا۔ ۱۷۷۸ء کے آخر میں وہ نستعلیق حروف کی ڈھلائی میں کامیاب ہوچکا تھا۔[۴۲] اسی سال اس کے ایک مستشرق دوست نیتھینل براسی ہالہیڈ (Nathaniel Brassy Halhed، ۱۷۵۱ء۔ ۱۸۳۰ء) کی مرتبہ: *A Grammar of the Bengali Language* میں، جو اسی کے اہتمام سے کلکتہ میں چھپی تھی، اس کے تیار کردہ نستعلیق ٹائپ کا ایک ابتدائی نمونہ دیکھا جاسکتا ہے[۴۳]، یا اس سے اگلا قدم فرانسس گلیڈون (Francis Gladwin، ۱۷۴۰ء۔ ۱۸۱۳ء) کی ترتیب دی ہوئی انگریزی فارسی فرہنگ تھی، جو مالدا سے ۱۷۸۰ء میں اسی کے اہتمام سے شائع ہوئی۔ اس میں اس کے تیار کردہ خوبصورت نستعلیق کا





استعمال کیا گیا تھا۔[۴۴]

دستیاب مطبوعات میں، جو اوّلین مکمل فارسی کتاب دستیاب ہے، وہ ہرکرن ملتانی[۴۵] کی تصنیف انشاے ہرکرن ہے، جو چارلس ولکنس ہی کے اہتمام سے کلکتہ سے ۱۷۸۱ء میں شائع ہوئی۔[۴۶] اس سے قبل کلکتہ یا اس کے نواح سے جو متعدد کتابیں فارسی یا نستعلیق عبارتوں کے ساتھ شائع ہوتی رہیں، ان کی نوعیت مختلف تھی۔ اس قسم کی طباعت زیادہ تر ان ضوابط کے تراجم پر مشتمل تھی، جو 'ایسٹ انڈیا کمپنی' وقتاً فوقتاً اپنے زیرِ انتظام علاقوں کے لیے انگریزی زبان میں جاری کرتی تھی، لیکن بالعموم ان کا فارسی ترجمہ بھی ساتھ ہی یا علاحدہ شائع ہوتا تھا۔[۴۷] بعد میں یہ روایت زیادہ مستقل ہوگئی۔[۴۸] ضوابط کے علاوہ قواعدِ زبان اور فرہنگوں کی قسم کی تالیفات میں بھی نستعلیق الفاظ یا عبارتوں کی شمولیت عام ہوگئی تھی۔ اس وقت تک جو مطبوعات شائع ہوتی رہیں، ان میں بالعموم جنتریاں، فہرستیں، سرکاری احکامات بشمول قوانین، نقشے، لغات وفرہنگ، زبانوں کے قواعد، ادبی تراجم، سفرنامے، تاریخ، سوانح، ریاضی، علم الادویہ، جغرافیہ وغیرہ سے متعلق کتابیں شامل تھیں۔ انشاے ہرکرن ولکنس کے تیار کردہ ٹائپ کا مبسوط نمونہ تھی، جس کے انگریز مترجم و مرتب فرانسس بالفور (Francis Balfour) نے ولکنس کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا تھا کہ اب ہندوستان میں فارسی طباعت کو بنیادی وسیلہ میسر آ گیا ہے۔[۴۹] ولکنس کی کوششوں کی کامیابی نے اب خود ایسٹ انڈیا کمپنی کو بالآخر اپنی آئے دن کی کم از کم انتظامی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایک سرکاری مطبع کے قیام کی ضرورت کا احساس دلا دیا، جس کی تجویز خود ولکنس نے کمپنی کو پیش کی تھی اور وارن ہیسٹنگز نے، جو خود کسی مطبع کے قیام کے حق میں تھا، اپنے اختیارات کے تحت ایک مطبع کے قیام کے لیے کمپنی کے اکابر سے ولکنس کی تجویز کی پرزور سفارش کی[۵۰]، چناں چہ کمپنی نے یہ تجویز منظور کرلی اور کلکتہ میں سرکاری سرپرستی کے تحت ایک مکمل سرکاری مطبع کا قیام عمل میں آ گیا۔[۵۱]

ولکنس تو اپنی خرابیِ صحت کی وجہ سے ۱۷۸۶ء میں واپس انگلستان چلا گیا[۵۲]، لیکن جانے سے قبل اس نے نستعلیق ٹائپ سازی کا ہنر مقامی افراد کو سکھا دیا تھا۔ اس کے معاصر فرانسس گلیڈون کی کوششیں بھی فارسی طباعت کے فروغ میں معاون ثابت ہوئیں، جس نے متعدد تالیفات کے علاوہ، جن

کا تعلق قواعد اور فرہنگ سے تھا[۵۳]۔ اپنے مرتبہ مجلّے *The Asiatic Miscellany* یا جواہر التالیف فی نوادر التصانیف[۵۴] کے ذریعے، جس کے شمارے ۱۷۸۵ء اور ۱۷۸۸ء کے درمیان منظر عام پر آئے، فارسی اور عربی و اُردو کی ادبی تخلیقات کے متن اصل اور انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کیے اور ادبی طباعت کے آغاز کا سہرا اپنے سر باندھا۔[۵۵]

ولکنس اور گلیڈون کی کوششوں کے زیر اثر کلکتہ میں فارسی طباعت کا سلسلہ جاری رہا اور سرکاری اور علمی و تعلیمی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں[۵۶]، تا آں کہ کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں ''فورٹ ولیم کالج'' قائم ہوا، جس میں نصابی اور تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ''ہندوستانی پریس'' کے نام سے ۱۸۰۲ء میں کالج کے ایک مستقل مطبع کا قیام ناگزیر ہوگیا۔[۵۷] اس پریس نے مقامی زبانوں بالخصوص اردو کی ادبی طباعت اور نصابی ضرورتوں کی تکمیل اور فروغ میں زبردست حصہ لیا۔ اس پریس کے قیام کے باوجود فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ عربی و فارسی کے ایک استاد میتھیو لینسڈون (Matthew Lansdowne) نے فارسی طباعت کے مزید فروغ کے لیے ۲۰ ستمبر ۱۸۰۵ء کو کالج کونسل کے سامنے ایک مخصوص فارسی مطبع کے قیام کی تجویز پیش کی، جس کے لیے اس کا خیال تھا کہ کلکتہ کے بہترین خطاط شیخ کلب علی کا تقرر کیا جائے اور ایسی کتابیں شائع کی جائیں، جو مقبولِ عام ہوں۔[۵۸] لیکن شاید یہ تجویز منظور نہ ہوئی۔ اس عرصے میں عیسائی تبلیغی جماعتوں نے بھی اپنے اپنے مطابع قائم کر کے طباعت کے فروغ میں نمایاں سرگرمی دکھائی، لیکن ان کی توجہ مقامی زبانوں پر مرکوز رہی، فارسی ان کے مقاصد کے دائرہ کار میں نہ آتی تھی۔[۵۹]

فارسی اور دیگر مقامی زبانوں میں طباعت کی سرگرمیاں اس دور میں، ایک دو مستثنیات سے قطع نظر، تمام تر غیر ملکی افراد، اداروں اور تبلیغی جماعتوں کی توجہ اور اپنے اپنے مفادات کے باعث جاری رہیں۔ انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں کہیں مقامی افراد نے ذاتی مطابع کے قیام اور طباعت میں دل چسپی لینی شروع کی۔ اس وقت تک طباعت شہروں سے نکل کر ضلعی قصبات تک پھیل گئی تھی۔ سرکاری پابندیوں اور کاغذ کی کمی کے باوجود یہ اس قدر عام ہوگئی تھی کہ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۳۲ء کے عرصے میں مطبوعات کے نسخوں کی تعداد دو لاکھ بارہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔[۶۰]





اولین ہندوستانیوں میں، جنھوں نے ذاتی مطابع قائم کیے، ایک ''مطبع شکر اللہ'' کا نام ملتا ہے، جس کے نام سے پتا چلتا ہے کہ اسے غالباً کسی مسلمان نے قائم کیا تھا۔[۶۱] لیکن ابتدائی عہد میں ہندوستانیوں کے قائم کردہ جن مطابع نے فارسی طباعت کو فروغ دیا، ان میں لکھنؤ کا ''مطبع سلطانی'' تھا، جسے اودھ کے حکمران غازی الدین حیدر (۱۸۱۴ء۔ ۱۸۲۷ء) نے ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء میں قائم کیا تھا۔[۶۲] اسے قائم کرنے میں انھیں ایک یورپی شخص ارسل، شاگرد جون گلکرسٹ کا تعاون حاصل ہوا۔[۶۳] ایک روایت کے مطابق یہ مطبع کلکتہ میں شیخ احمد عرب[۶۴] (متوفی ۱۸۴۰ء) کی ملکیت میں تھا، جو شاہ اودھ کی خواہش پر کلکتہ سے لکھنؤ منتقل کیا گیا۔[۶۵] اس مطبع میں ٹائپ رائج تھا۔[۶۶] اس وقت کے اکابر علما شیخ احمد عرب، مولوی اوحد الدین بلگرامی[۶۷] اور قاضی محمد صادق اختر[۶۸] خطیر مشاہرے پر تصنیف و تالیف کے کام پر مامور کیے گئے۔ یہاں سے ۱۸۱۹ء میں اولین کتاب عربی میں مناقبِ حیدریہ مصنفہ شیخ احمد عرب شائع ہوئی[۶۹]، اور فارسی میں محامد حیدریہ[۷۰]، زاد المعاد[۷۱]، ہفت قلزم[۷۲] اور تاج اللغات[۷۳] شائع ہوئیں۔ یہ کتابیں ٹائپ میں چھپی تھیں، اس لیے پسند نہ کی گئیں، چناں چہ یہ شاہی مطبع ترقی نہ کر سکا[۷۴]۔

اس وقت تک طباعت کے لیے ٹائپ کی کلیدوں کا استعمال کیا جاتا تھا، جو دھاتوں کی مدد سے بنائی جاتی تھیں۔ لیکن نستعلیق یا نسخ حروف کو دھاتوں کی کلیدوں میں اس طرح ڈھالنا کہ ان رسم الخطوں کے حروف لفظ میں مناسب طور پر باہم جڑ سکیں، کبھی آسان نہ رہا اور ساتھ ہی حرفی جوڑوں کے درمیان رہنے والے فاصلوں کی وجہ سے لفظ کا صوری حسن اس عمل میں اس طرح متاثر ہوتا کہ روایتی خوش خطی اور خطاطی کی عادی قوم کے لیے یہ اس صورت میں کبھی گوارا اور قابل قبول نہ رہا۔ خصوصاً نستعلیق میں حروف کو جوڑنے کا عمل زیادہ مشکل تھا اور کبھی بے عیب نہ رہ سکا۔ اسی لیے نستعلیق کے عادی افراد نستعلیق ٹائپ سے کبھی مطمئن نہ ہوئے اور ان کا رویہ نسخ کے ساتھ بھی بالعموم یہی رہا۔ سنگی مطابع کے قیام سے پہلے اسے اختیار کرنا بہرحال ایک مجبوری تھی، چناں چہ اسے اختیار کیا گیا تو اسے حتی الامکان بہتر سے بہتر صورت دینے کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ چوں کہ یہ کوششیں انفرادی تھیں، اس لیے مختلف مطابع کے تیار کردہ یا اختیار کردہ ٹائپ میں تنوع اور فرق بھی روا رہا۔ قارئین کے ذوق کو پیشِ نظر رکھتے

ہوئے نستعلیق کے ساتھ ساتھ نسخ بھی اختیار کیا گیا اور کہیں کہیں ان دونوں کو باہم اس طرح ملانے کی کوشش بھی کی گئی کہ اس طرح بننے والا ٹائپ نستعلیق اور نسخ کی درمیانی شکل میں ڈھل گیا، چناں چہ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں کچھ اخبارات اور کتابوں میں یہ ملا جلا رسم الخط بھی ملتا ہے۔ اگرچہ ٹائپ سے طباعت میں نستعلیق پر انحصار کو مستقل طور پر کبھی گوارا نہ کیا گیا، لیکن پھر بھی طباعت میں نستعلیق ہی زیادہ مروج رہا۔ یہ تو اب حالیہ چند برسوں سے کمپیوٹر کے ذریعے کتابت کے تجربوں اور ان کی کامیابیوں نے ان عیوب کو دور کردیا ہے، جو قبل ازیں نستعلیق ٹائپ میں روا رہیں[۷۵]،اس لیے اب خصوصاً جنوبی ایشیا اور اردو کی حد تک نستعلیق خط طباعت میں نہ صرف مروج ہوگیا ہے بلکہ مقبول عام بھی ہے۔

**سنگی طباعت کا آغاز اور فارسی طباعت کا فروغ:**

جنوبی ایشیا میں فارسی طباعت کے آغاز کا دور متحرک کلیدی ٹائپ کے رواج کا دور تھا۔ چوبی بلاکوں کے ذریعے طباعت کا عمل، جو چین میں دو صدیوں سے رائج تھا، کہیں اٹھارویں صدی کے آغاز میں یورپ سے ہوتا ہوا جنوبی ایشیا پہنچ سکا[۷۶]۔ چوں کہ طباعت کے آغاز میں خود طباعت مسلمانوں کے لیے کوئی کشش نہ رکھتی تھی، اس لیے ہنرسازی اور کپڑوں پر نقش ونگار کے لیے چوبی بلاکوں کے استعمال کے اپنے روزمرہ کے عمل کے باوجود وہ اس جانب فوری متوجہ نہ ہوئے۔ یہ تو جنوبی ایشیا میں برطانوی استعمار کے مقابل کچھ تو مدافعت کے احساس اور پھر مغرب کی لائی ہوئی مفید ایجادات کے فوائد تھے، جن سے ان کے مقابل کی دوسری بڑی قوم (ہندو)، جس سے برطانوی عہد کے ہر دور میں ان کی مسابقت رہی، پوری طرح استفادہ کررہی تھی، وہ مقابلے کی دوڑ میں اس سے کسی میدان میں پیچھے رہ کر مطمئن نہ ہوسکتے تھے۔ چناں چہ سنگی مطابع کے رواج نے انھیں اس جانب آنے پر آمادہ کرلیا اور جب وہ اس کے لیے آمادہ ہوئے تو پھر کوئی تذبذب اور رکاوٹ باقی نہ رہ گئی۔ سنگی مطابع کے مروج ہوجانے پر طباعتی سرگرمیوں کی ایک عام فضا سارے جنوبی ایشیا میں پھیل گئی اور چند سالوں کے عرصے میں چھوٹے چھوٹے نجی سنگی مطابع کا ایک جال تھا، جو اطراف ملک میں پھیل گیا۔[۷۷]

سنگی مطابع کے رائج ہونے سے طباعت آسان اور کم خرچ تو ہوگئی لیکن اس میں قباحتیں بھی





تھیں۔اس کے مروجہ طریق کار کے تحت اس میں زیادہ تعداد میں یکساں معیار کی طباعت ممکن نہ تھی۔ زیادہ تعداد میں طباعت کے بعد پتھر یا سل پر منقش حروف یا تو پھیلنے لگتے یا ہلکے پڑجاتے، چناں چہ ان کی درستی یا تصحیح طباعت کے سابقہ معیار تک نہ پہنچ پاتی۔اس طرح معیاراورحسن برقرار نہ رہتا۔ایسے عیوب یا قباحتوں کے پیش نظر جب سیداحمد خاں (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) نے اپنی تعلیمی تحریک کے ذیل میں اشاعت کا ایک ہمہ جہت منصوبہ بنایا تو سنگی طباعت کے بجائے پھر ٹائپ کے ذریعے طباعت کو اختیار کرنا مفید خیال کیا۔ ان کے قائم کردہ ادارے ’’ سائنٹی فک سوسائٹی‘‘(علی گڑھ) نے اپنے جرائد اور کتابیں ٹائپ میں شائع کرنا شروع کیں اور نستعلیق سے قطع نظر، جو طباعت میں اپنے اصل حسن سے عاری ہوجاتا تھا، نسخ کو اپنایا۔ اس ادارے کی مطبوعات اپنے موضوع اور مقصد کے لحاظ سے خاطر خواہ توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہیں، چناں چہ طباعت میں نسخ ٹائپ کو کچھ عرصہ تک رواج حاصل ہوا، لیکن پھر بھی قبولیت عام حاصل نہ ہوئی۔جس کے نتیجے میں اس تحریک کو، ایک دو دہائیوں کے بعد، اپنی مطبوعات کے لیے نسخ اور ٹائپ کے بجائے نستعلیق اور سنگی طباعت ہی سے رجوع کرنا پڑا۔بعد میں وقتاً فوقتاً ٹائپ میں طباعت کے تجربے ہوتے رہے اور نسخ اور نستعلیق دونوں کو اختیار کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں لیکن عامۂ خلائق نے نستعلیق اور سنگی طباعت ہی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ تاآں کہ آفسٹ طباعت نے کتابت اور طباعت کے معیار کو مزید جاذب نظر بنادیا جس کی وجہ سے ٹائپ اور نسخ کی طباعت کی طرف توجہ مزید کم ہوگئی اور نستعلیق مزید مقبول ہوگیا۔[۷۸]

جنوبی ایشیا میں سنگی مطبع کے قیام کا آغاز ۱۸۲۳ء کا واقعہ ہے[۷۹]،جب ’ایسٹ انڈیا کمپنی‘ نے مدراس، بمبئ اور کلکتہ میں اوّلین سنگی مطابع قائم کیے[۸۰]۔اس کے قیام میں یہ آسانی اورسہولت ہی تھی کہ محض تین سال کے عرصہ میں نجی اہتمام سے پہلا سنگی مطبع ۱۸۲۶ء میں بمبئ میں ’’مطبع فردونجی سہراب جی دستور‘‘ قائم ہوا۔[۸۱] سنگی مطبع سے جس اوّلین فارسی کتاب کی اشاعت کا علم ہوتا ہے وہ ملا فیروز ابن کاؤس(۱۷۵۸ء۔۱۸۳۰ء) کی تصنیف رسالہ موسومہ بادله قویه برعدم جواز کبیسه در شریعت زرتشتیه تھی، جو محمد ہاشم اصفہانی کی تصنیف شواہد النفیسه کے جواب میں لکھی گئی تھی۔یہ ۱۸۲۷ میں بمبئ کے مطبع ’’بمبئ سماچار‘‘ سے شائع ہوئی۔[۸۲] اسی سال سعدؔی کی گلستاں بھی

کلکتہ سے سنگی طباعت میں شائع ہوئی [83] اور پھر بوستاں بھی اگلے برس یہیں سے چھپی، [84] لیکن سنگی مطابع کے ذریعے فارسی طباعت کو فروغ دراصل شمالی ہند میں بالخصوص کانپور اور لکھنؤ میں حاصل ہوا۔ کانپور میں ایک یورپی باشندے آرچر (Archer) کے قائم کردہ اوّلین سنگی مطبع کے بارے میں ذکر عام ہے، جسے اس کے قیام کے بعد آرچر نے شاہ اودھ نصیرالدین حیدر (۱۸۲۷ء۔ ۱۸۳۷ء) کی خواہش پر لکھنؤ منتقل کردیا [85]، جہاں سے پہلی کتاب بہجتہ مرضیہ فی شرح الفیہ ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی۔ [86] یہ مطبع جو ''سلطان المطابع'' اور ''مطبع سلطانی'' دونوں ناموں سے معروف رہا، انتزاعِ سلطنت اودھ (۱۸۵۶ء) تک سرگرم رہا۔ پھر آخری معزول شاہِ اودھ واجد علی شاہ (۱۸۴۷ء۔۱۸۵۶ء) نے لکھنؤ سے اپنی بے دخلی اور کلکتہ منتقلی کے بعد اسے مٹیا برج، کلکتہ میں دوبارہ جاری کیا۔ ۱۸۸۵ء میں اس مطبع سے شائع ہونے والی کتاب ریاض القلوب مصنفہ واجد علی شاہ غالباً آخری کتاب تھی۔ [87] ''مطبع سلطانی'' کے قیام کے بعد لکھنؤ میں ''مطبع حاجی حرمین شریفین'' (مطبع محمدی) نجی مطابع میں غالباً سب سے پہلے قائم ہوا تھا۔ اس کی پیروی میں ''مطبع مصطفائی'' قائم ہوا۔ پھر لکھنؤ اور نواحِ لکھنؤ میں مطابع کے قیام کا ایک سلسلہ تھا، جو جاری ہوگیا۔ ان مطابع نے فارسی طباعت کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ [88]

سنگی طباعت کے اس آغاز کو ہندوستان میں طباعت کی تاریخ کے ایک نمایاں موڑ کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ آغاز اس کے تیز رفتار اور وسیع تر فروغ کے لیے ایک متحرک سبب ثابت ہوا۔ چناں چہ سنگی مطابع کے قیام نے، جس میں سرمایہ، ہنرکاری اور ٹائپ کی ناگواری اب رکاوٹ نہ رہ گئی تھی، طباعت کو آسان، ارزاں، تیزتر اور ساتھ ہی منافع بخش بھی بنادیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب قریب قریب سارا جنوبی ایشیا برطانوی اقتدار کے زیرِتسلط آچکا تھا اور ملک و معاشرہ نئے وسائل، قدیم وجدید تصورات اور سیاسی وتعلیمی انقلابات کے دوراہے پر کھڑا تھا۔ کچھ سیاسی حالات کا تقاضا تھا اور کچھ تاریخ وتہذیب کے اپنے اسباب تھے کہ جن کے زیرِاثر برطانوی اقتدار کے خلاف سیاسی تحریکوں کا آغاز ہوا اور قومی اصلاح و بیداری کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ہر تحریک کا سب سے بڑا وسیلہ زبان ہوتی ہے اور زبان ذرائع ابلاغ کو اپنا سہارا بناتی ہے۔ اب یہ سہارا سنگی مطابع کی صورت میں گلی گلی پہنچ رہا تھا۔ اس





صورتِ حال میں مسلمانوں نے، جو طباعت سے بوجوہ اب تک گریزاں رہے تھے، سنگی طباعت کو اپنے لیے مفید اور سہولت آمیز سمجھ کر اسے اس حد تک اپنانے پر آمادہ ہوگئے کہ ایشیا بھر میں کوئی قوم، انیسویں صدی کے آخر تک، ان کے مقابل نہ رہی، برطانوی منتظمین کے مطابق انیسویں صدی میں مذہبی کتابوں کی تجارت پر مسلمان ہی حاوی تھے۔ [89] اس کی تائید نامور مستشرق الویس اشپرنگر Aloys Sprenger (۱۸۰۳ء۔۱۸۹۳ء) کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ لکھنؤ اور کانپور سے ۱۸۵۴ء تک سنگی مطابع سے چھپنے والی مطبوعات تعداد میں تو تقریباً سات سو تھیں، لیکن انھوں نے مذہبی تعلیم یافتہ طبقہ میں وسعت پیدا کردی تھی۔ یہاں تک کہ خواتین تک یہ حلقہ وسیع ہوگیا تھا اور عام مسلمان جو صدیوں سے اپنے اصل منابع کو نہ دیکھ سکتے تھے، اب بنیادی کتب ومتون ان تک پہنچ رہے تھے۔ [90] اس عرصے میں شائع ہونے والے قرآن اور حدیث کے متون دنیاے اسلام کے اوّلین مطبوعہ متون تھے۔ مسلمانوں میں مذہبی اصلاح اور قومی بیداری کی ہمہ جہت تحریکوں کا یہی زمانہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶ء۔۱۸۲۴ء) کے خانوادے اور شاگردوں نے، جنھوں نے اسلامی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے مؤثر کوششیں کیں، اپنے تحریکی ادب کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔ [91] سید احمد شہید (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) کی تحریکِ جہاد سے تعلق رکھنے والے علماء میں سے عبداللہ سیرام پوری نے سید احمد شہید ہی کی ترغیب پر کلکتہ میں ۱۸۲۴ء میں اپنا ''مطبع احمدی'' قائم کیا تھا۔ [92] اس مطبع سے تحریکی ادب کی اشاعت میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ مطبع کے قیام کے محض آٹھ سالوں کے بعد ایک بڑی تعداد میں بازاروں میں عام دستیاب تھا۔ [93] یہ اشاعتیں اس بڑے پیمانے پر ہونے لگیں کہ نہ صرف سارے جنوبی ایشیا بلکہ افغانستان اور اس کے راستے سے وسطِ ایشیا تک یہاں کی مطبوعات پہنچنے لگیں۔ [94] ایک سرکاری روداد کے مطابق محض ایک سال، ۱۸۷۱ء کے عرصے میں، قرآن حکیم کی تیس ہزار جلدیں شائع ہوئیں۔ [95] علماے اسلام کی روز افزوں اشاعتی سرگرمیوں سے، جو ان کی تحریکی سرگرمیوں کا ایک لازمی حصہ بن گئی تھیں اور وہ انھیں اپنے علمی اور تعلیمی اور اصلاحی و مناظراتی مقاصد میں استعمال کرنے لگے تھے، یہ واضح طور پر محسوس کیا جانے لگا تھا کہ جنوبی ایشیا میں طباعت کے منظر پر ایک لحاظ سے ان کی اجارہ داری سی قائم ہوگئی تھی اور اس میدان میں ایشیا کی کوئی قوم ان کے مدمقابل نہ تھی۔ [96] طباعت

اب ان کے لیے ایک ایسے ہتھیار کی صورت اختیار کرگئی تھی، جس سے وہ ایک جانب اپنے مقابل کی ہندو تحریکوں اور دوسری جانب عیسائی مبلغوں کی کوششوں کا دفاع بھی کرسکتے تھے۔[۹۷] چناں چہ انھوں نے اپنی قوم کو علمی توانائیوں سے بارآور کرنے کے لیے طباعت کو ایک مؤثر ترین وسیلے کے طور منتخب کرلیا۔[۹۸]

اسلامی ادب کی طباعت اور قدیم مذہبی متون کے تراجم پر ان کی خاص توجہ رہی۔ اس ادب کی اشاعت کسی ایک دو مطابع سے مخصوص نہیں تھی۔ متعدد مطابع نے مذہبی ادب کے فروغ میں حصہ لیا، لیکن چند مطابع کی خدمات نمایاں بھی رہیں۔ شاہ عبدالعزیز کی تحریک سے متاثر مولانا محمد احسن نانوتوی (۱۸۲۵ء-۱۸۹۴ء) کے قائم کردہ ''مطبع صدیقی'' (بریلی) نے، جو ۱۸۶۲ء سے طباعت میں سرگرم ہوا تھا، عربی اور فارسی کے ادبِ عالیہ کی اشاعت ثانی اور تراجم کے ساتھ ساتھ مناظراتی ادب اور تحریکی ادب کی اشاعت پر خاص توجہ دی۔[۹۹] طباعت کے وسیلے نے اسلام کے عظیم علمی آثار کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ انھیں محفوظ کرنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی فراہم کردیا۔ اس طرح مسلمانوں کی جانب سے طباعت کو اختیار کرنے کا عمل ان کے اپنے سیاسی زوال کے تدارک کی ایک کوشش کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔[۱۰۰] جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں طباعت ہی، وسطِ انیسویں صدی میں، مذہبی اور سیاسی تبدیلیوں کے ایک بڑے محرک اور مؤثر وسیلے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ یہاں علماء تاریخ کے کسی دور میں اتنے مؤثر نہ ہوئے تھے، جتنے طباعت عام ہونے کے بعد ہوگئے۔ پھر طباعت کو اختیار کرنے میں محض شاہ عبدالعزیز کی تحریک سے منسلک علماء ہی پیش پیش نہ تھے، علمائے فرنگی محل، علمائے اہلِ حدیث اور علمائے دیوبند اور ہر طبقہ فکر کے علما اپنے لیے اس وسیلے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے لگے۔[۱۰۱]

**فارسی طباعت کا دورِ زوال:**

انیسویں صدی کے ہندوستان میں طباعت کے فروغ کی مثال کے لیے محض ایک ''مطبع نول کشور'' کا حوالہ کافی ہے۔ یا پھر وسط انیسویں صدی میں ''مطبع مصطفائی'' کانپور و لکھنؤ کا نام اہمیت رکھتا تھا، جن کی مطبوعات اپنی نفاست و دل کشی میں مثالی ہوتی تھیں، لیکن تمام دیگر مطابع کے مقابلے





میں مطبع نول کشور کی اشاعتی سرگرمیاں یا خدمات اس ضمن میں منفرد اور مثالی ہیں۔ اس کی خدمات کا عرصہ اس کے قیام ۱۸۵۸ء سے قریب قریب ۱۹۴۰ء تک پھیلا ہوا ہے، جب کہ اس کے بانی و مہتمم منشی نول کشور (۱۸۳۶ء-۱۸۹۵ء) کی زندگی میں یہ عروج پر رہا اور لکھنؤ کے علاوہ اس کی شاخیں کانپور، لاہور، جبل پور، پٹیالہ اور اجمیر میں قائم تھیں۔[۱۰۳] اس وقت اس نے ہندوستان بلکہ ایشیا کے سب سے بڑے مطبع کی حیثیت حاصل کرلی تھی[۱۰۴]، لیکن طباعت کی اس عمومی ترقی پذیر صورتِ حال کے باوجود فارسی طباعت کا رخ اب زوال کی طرف گامزن تھا۔ انیسویں صدی کا نصف اوّل، جو مسلمانوں کے زیراہتمام ان کے اپنے مطابع میں فارسی کی طباعت کے لحاظ سے اس کا سنہری دور تھا، اب خود مسلمانوں میں اردو کے ان کی عام زبان کے ساتھ ساتھ بتدریج علمی، ادبی اور صحافتی زبان کا درجہ حاصل کرلینے[۱۰۵] اور سرکاری اور عدالتی امور سے برطانوی حکومتِ ہند کی جانب سے ۱۸۳۲ء میں فارسی کو بے دخل کردینے کے نتیجے میں[۱۰۶] فارسی کی دیرینہ وقعت کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی اور علمی حیثیت اور طباعتی سرگرمیوں کو بھی صدمہ پہنچا۔ فارسی کی اس بے دخلی کا ردعمل مسلمانوں میں شدید تھا۔ اگرچہ اس تبدیلی کے ردِعمل کو کم کرنے کے لیے حکومت نے انگریزی کے ساتھ ساتھ مصلحتاً مقامی زبانوں (مثلاً اُردو) کو بھی متبادل زبان کے طور پر نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن مسلمان پھر بھی مطمئن نہ ہوئے، چناں چہ ۱۸۳۹ء کے اوائل میں ڈھاکا کے پانچ سو باشندوں نے فارسی کی حمایت میں اور بنگالی زبان کی مخالفت میں، جو فارسی کی جگہ وہاں نافذ کی گئی تھی، حکومت سے تحریری احتجاج کیا[۱۰۷]، لیکن صورتِ حال کہیں بھی فارسی کے حق میں حوصلہ افزا نہ رہی اور اب سرکاری اور عدالتی امور سے فارسی کے یک لخت اور تعلیمی اور علمی مدارس سے بتدریج خارج ہوجانے کے باعث اس کی سماجی حیثیت بھی بری طرح متاثر ہورہی تھی۔ اس صورت حال میں فارسی میں طباعتی سرگرمیاں محدود سے محدود تر ہوتی چلی گئیں۔ اب اس کا دارومدار بڑی حد تک مسلمانوں کی مذہبی اور علمی ضرورتوں اور ان کے ادبی ذوق وشوق پر یا مطبع نول کشور اور بعض دیگر ہم عصر مطابع کی مصلحتوں تک مخصوص رہا۔

طباعت کے دورِ اوّل میں اگرچہ فارسی زبان میں طباعت کا رجحان لکھنؤ میں زیادہ نمایاں رہا[۱۰۸]، لیکن دیگر شہروں میں بھی فارسی طباعت تسلسل سے جاری تھی۔ ویسے کانپور اور لکھنؤ ہی فارسی

طباعت کا، کم از کم انیسویں صدی کے آخر تک، مرکز بنے رہے۔ ''مطبع مصطفائی'' اور ''مطبع نول کشور'' کی طباعتی سرگرمیاں ان ہی شہروں میں نمایاں رہیں، جب کہ دیگر مطابع بھی ان شہروں میں سرگرم تھے۔ بمبئی، مدراس، کلکتہ، دہلی اور حیدر آباد بھی فارسی طباعت کے مراکز بن گئے تھے، جہاں انیسویں صدی کے نصف آخر تک متعدد مطابع قائم ہوئے اور انھوں نے فارسی طباعت میں خاصی دلچسپی لی۔ وسطِ انیسویں صدی کے آس پاس کے عرصے میں دیگر کئی اور شہروں میں بھی طباعتی سرگرمیوں کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی، جہاں فارسی مطبوعات کی بھی ایک بڑی تعداد سامنے آتی رہی۔[۱۰۹] ۱۸۳۷ء کے بعد بھی، جب فارسی کی سرکاری حیثیت کا مکمل خاتمہ ہوگیا، یہ صورت حال ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے آس پاس تک یوں ہی برقرار رہی، لیکن اس جنگ میں ناکامی کے نتیجے میں جہاں مسلمانوں کے اقتدار، ان کی تہذیبی و سماجی حیثیت کو یکسر زوال اور دیگر متعدد صدمات سے دوچار ہونا پڑا، وہیں ان کی علمی و تعلیمی زندگی میں اردو زبان کے روز افزوں استعمال اور ہندوستان میں اس کے وسیع تر فروغ کے باعث فارسی کی رہی سہی حیثیت مزید متاثر ہوئی۔ چناں چہ اگلی چند دہائیوں میں اس صورت حال کو طباعت کی شرح کے حوالے سے یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ صوبۂ متحدہ میں ۱۸۸۱ء سے ۱۸۹۰ء کی دہائی میں جہاں فارسی میں مطبوعہ کتب کی تعداد ۱۰۲۲ تھی، اگلی دہائی میں ۶۱۵ رہ گئی۔ ۱۹۰۱ء میں یہ تعداد ۶۳؛ ۱۹۰۲ء میں ۳۸؛ ۱۹۰۳ء میں ۴۴؛ ۱۹۰۴ء میں ۳۶؛ ۱۹۰۵ء میں ۳۲؛ ۱۹۰۶ء میں ۲۳؛ ۱۹۰۷ء میں ۸؛ ۱۹۰۸ء میں ۱۵؛ ۱۹۰۹ء میں ۲۵ اور ۱۹۱۰ء میں ۲۰ تھی۔[۱۱۰] اس طرح فارسی کتابوں کی جو اوسط تعداد ماہانہ ۱۰۲ تھی، وہ محض ۳۰ ہوگئی۔ کل تعداد اشاعت کے لحاظ سے بھی اس صورت حال کو یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ ۱۹۰۰ء میں فارسی کتابوں کی جو کل تعداد ۴۲۵۵۷ تھی، وہ ۱۹۱۴ء میں ۲۴۹۷۵ ہوگئی اور ۱۹۲۵ء میں محض ۱۰۸۰۰ رہ گئی۔[۱۱۱]

فارسی طباعت کے اس دورِ زوال میں کہ جس میں فارسی طباعت کا دائرہ یا تو محض رہی سہی نصابی ضرورتوں کی تکمیل یا ذاتی دل چسپیوں اور مذہبی متون کی اشاعت تک سمٹ کر رہ گیا، یا پھر ان نمائندہ علمی مطبوعات کی محدود اشاعت کی صورت میں نظر آتا ہے، جو علمی اداروں یا تحقیقاتی مجلسوں کے اپنے مقاصد کے تحت شائع ہوئیں۔ انیسویں صدی میں اس قسم کے اداروں میں ''ایشیاٹک سوسائٹی





بنگال'' (کلکتہ) کی خدمات مثالی ہیں، جس نے قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے اہم متون کو ترتیب و تدوین کے اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع کیا۔[۱۱۲] بیسویں صدی کے اوائل تک یہ ادارہ فارسی متون کی اشاعت کی جانب قدرے متوجہ رہا، لیکن پھر اس کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ریاست حیدرآباد میں قائم شدہ ''دائرۃ المعارف'' نے اپنے قیام ۱۸۹۰ء سے عربی کے ساتھ ساتھ فارسی متون کی طباعت میں بھی دل چسپی لی، لیکن ریاست کے خاتمے (۱۹۴۸ء) کے بعد اس کا یہ کردار محدود بلکہ مسدود ہوگیا۔ ''گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری'' (مدراس) نے اپنے ذخیرۂ مخطوطات کی فہارس کے علاوہ فارسی متون بھی شائع کیے۔ بیسویں صدی میں بعض جامعات کے شعبہ ہائے زبان وادب یا جامعاتی تحقیقی اداروں نے بھی گاہے گاہے فارسی متون کی تدوین واشاعت میں دل چسپی لی، جیسے 'جامعہ علی گڑھ'، 'جامعہ مدراس'، 'جامعہ کلکتہ'، 'جامعہ عثمانیہ'، 'جامعہ پنجاب' (لاہور)، 'انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز' (بڑودہ) وغیرہ، لیکن یہ مثالیں عام نہیں تھیں۔ ''خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری'' (پٹنہ) نے زیادہ تر اپنے ذخیرۂ مخطوطات کی فہارس کی طباعت تک خود کو محدود رکھا، لیکن حالیہ کچھ برسوں سے یہاں سے فارسی متون بھی شائع ہو رہے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہندوستان کے بعد یہ صورتِ حال مزید زوال پذیر نظر آتی ہے۔ بھارت میں تو مسلمانوں کی تاریخ وتہذیب اور ان سے وابستہ تمام آثار، یہاں تک کہ اردو زبان کو بھی، جو جنوبی ایشیا میں مسلمانوں ہی کی نہیں خطہ کی دیگر قوموں کی بھی مشترکہ میراث ہے اور ان اقوام کی ایک بڑی تعداد اپنے روزمرہ کے اور تدریسی وعلمی مقاصد کے لیے اسے استعمال کرتی آئی ہے، اور اس زبان کے ادب میں ان سب کی خدمات نمایاں بھی رہی ہیں، سرکاری عدم سرپرستی یہاں تک کہ عصبیت کا نشانہ بننا پڑا۔[۱۱۳] فارسی کے لیے تو مواقع اور امکانات یوں بھی حوصلہ افزا نہ ہوسکتے تھے، چناں چہ یہ محض چند جامعات کے جزوی شعبوں میں ایک اختیاری مضمون کے طور پر باقی رہ گئی ہے یا چند علمی وتحقیقی اداروں مثلاً ''مولانا ابوالکلام آزاد عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ'' (ٹونک) اور ''انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز اینڈ ریسرچ ان عربک اینڈ پرشین لرننگ'' (پٹنہ) کی جانب سے شائع ہونے والی مطبوعات کی حد تک دیکھی جاسکتی ہے۔ یا پھر اب بڑی حد تک دہلی میں ''مرکز تحقیقاتِ زبانِ فارسی

درہند'' کی طباعتی سرگرمیوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔

پاکستان میں بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ یہاں تو بہ اعتبار علاقہ و آبادی علمی و تحقیقی ادارے بھی نسبتاً کم ہیں اور علمی ذخائر بھی محدود ہیں۔ یہ زیادہ تر بھارت میں رہ گئے۔ فقط ''مجلس ترقی ادب'' (لاہور)، ''اقبال اکیڈمی پاکستان'' (لاہور)، ''پنجابی اکیڈمی'' (لاہور)، ''جامعہ پنجاب'' اور اس کے ذیلی ادارے'' ادارۂ تحقیقات پاکستان'' (لاہور)، ''سندھی ادبی بورڈ'' (حیدرآباد سندھ)، ''انجمن ترقی اردو'' (کراچی) کا نام اس لحاظ سے لیا جاسکتا ہے کہ ان اداروں نے بعض فارسی متون شائع کیے۔حالیہ چند دہائیوں میں یہاں فارسی طباعت کو سب سے زیادہ اہمیت ''مرکز تحقیقاتِ فارسی پاکستان'' (اسلام آباد) نے دی، جس نے فارسی کے علمی ذخیرے کو یکجا کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد علمی و تحقیقی تصانیف اور بالخصوص کتبِ حوالہ اور فہارس مخطوطات کی ترتیب واشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ اب پاکستان میں فارسی طباعت بڑی حد تک محض اس ایک ادارے تک مخصوص ہوکر رہ گئی ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

* سابق ڈین، کلیۂ زبان و ادب، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۱۔ عیسائی دنیا میں 'پروٹسٹینٹ' (Protestant) انقلاب طباعت کے مروج ہوجانے ہی کی وجہ سے کامیاب ہوسکا اور 'لوتھریت' (Lutheranism) کو بجا طور پر فرزندِ طباعت کہا جاسکتا ہے: الزبتھ ایل ایزنسٹن (Elizabeth L. Eisenstein)، *The Printing Press as an Agent of Change: Communication and Cultural Transformation in Early-Modern Europe* (کیمبرج، ۱۹۷۹ء)، جلد اوّل و دوم، ان ہی مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ ونیز ترسا واٹ (Tersa Watt)، *Cheap Print and Popular Piety,1550-1640.* (کیمبرج، ۱۹۹۱ء)۔

۲۔ یہ ممکن ہے کہ وہ چین میں ۱۰۴۱ء ۔ ۱۰۴۹ء میں متحرک حروفی طباعت کی ایجاد سے اسی طرح بے خبر ہوں جیسے خود یورپ میں طباعت کا موجد جوہان گوٹنبرگ(Johan Gutenberg، ۱۳۹۹ء ۔ ۱۴۶۸ء) بے خبر تھا۔ جی اے گلاسٹر (G.A.Glaister)، *Encyclopedia of Books* (لندن، ۱۹۹۶ء)،ص ۳۹۳۔

۳۔ تھامس ایف۔کارٹر (Thomas F. Carter) "Islam as a Barrier to Printing" مشمولہ: *The Moslem World*، ۳۳(۱۹۴۳ء):ص ۲۱۳ ۔ ۲۱۶؛ ونیز تفصیلات کے لیے: جی روپر (G. Roper) "The Export of the Arabic Books from Europe to the Middle East in the 18th Century" مشمولہ:





*Proceedings of the 1989 International Conference on Europe and Middle East* (اوکسفرڈ، ۱۹۸۹ء)،ص ۲۳۳۔ ۲۶۶۔

۴۔ جے پڈرسن (J. Pederson), *The Arabic Book* ترجمہ: جی فرنچ (G. French)، مرتبہ: آر ہیلن برانڈ (R. Hillenbrand)، (پرنسٹن، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۳۱۔۱۴۱؛ ونیز تفصیلات کے لیے: واحد دورا (Wahid Gdoura)، *Le debut de l'imprimerie Arabe A'Istanbul et en Syrie: Evolution de l'Environnement Culturel, 1707-1787.* (تیونس، ۱۹۵۸ء)۔

۵۔ محسن مہدی، "From the Manuscript Age to the Age of Printed Books" مشمولہ: جارج این عطیہ (George N. Atiye)، *The Book in the Islamic World: The Written Word and Communication in the Middle East.* مرتبہ (البانی، ۱۹۹۵ء)،ص ۲۸۳۔

۶۔ یہ وہی نقطۂ نظر تھا جس نے دنیاے اسلام کو کلی یا جزوی طور پر ایک عرصہ تک یورپ کی مفید ایجادات مثلاً جنگی ہتھیاروں، گھڑیوں اور بجلی کی روشنی کے استعمال تک سے دور رکھا۔ طباعت کی راہ میں دنیائے اسلام کے تذبذب کا ایک جامع مطالعہ فرانسس روبنسن (Francis Robinson)، "Islam and Impact of Print in South Asia." مشمولہ: *The Transformation of Knowledge in South Asia.* مرتبہ: نجیل کروک (Negel Crook) (آکسفورڈ، ۱۹۹۶ء)، ص ۶۲۔۹۷ میں ہے۔ ونیز: امی ایالون (Ami Ayalon) *The Press in the Arab Middle East: A History.* (اوکسفرڈ، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۶۶۔۱۶۷ و بعدہٗ۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔

۸۔ مارک گاربوریو (Marc Garborieau)، "Late Persian, Early Urdu: The Case of Wahabi Literature (181-1857)" مشمولہ: *Confluence of Culture: French Contribution to Indo-Oersian Studies.* مرتبہ: ایف این ڈیلوے (F. N. Delveoy)، (دہلی، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۷۵۔

۹۔ اس ضمن میں ترکی میں دنیاے اسلام کے اوّلین مطبع کے بانی ابراہیم متفرقہ کا مضمون: ''وسیلة الطبع''، جو طباعت کے فوائد میں متعدد دلائل اور مثالوں پر ہے، انگریزی ترجمہ، مشمولہ: عطیہ، تصنیف مذکور، ص ۲۸۶۔۲۹۲۔

۱۰۔ متعلقہ فرمان، مشمولہ: ایضاً، ص ۲۸۳۔

۱۱۔ متعلقہ فرمان، مشمولہ: ایضاً، ص ۲۸۴ ۔ ۲۸۵۔

۱۲۔ برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) *Muslim Discovery of Europe* (لندن، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۶۸۔

۱۳۔ جیوفرے روپر (Jeoffery Roper) "Faris al-Shidyaq and the Transition from Scribal to Print Culture in the Middle East." مشمولہ: عطیہ' تصنیف مذکور' ص ۲۱۰۔

۱۴۔ لیوس، تصنیف مذکور، ص ۱۶۸۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۰۶۔

۱۶۔ ایالون، تصنیف مذکور، ص ۱۳ ۔ ۱۴۔

۱۷۔ ای جی براؤن (E.G. Brown)، *A Literary History of Persia*، جلد چہارم (کیمرج، ۱۹۵۳ء)،

ص ۱۵۵؛ ونیز یہی مصنف ، *The Press and Poetry in Modern Persia.* (اشاعت ثانی، لاس انجلز، ۱۹۸۳ء)، ص ۷۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۷ ۔ ۸۔

۲۰۔ مہدی بامدار، شرح حال رجال ایران ، جلد دوم ( تہران ، ۱۳۵۷ش )، ص ۱۷۷۔

۲۱۔ براؤن ، تصنیف محولہ ثانی ، ص ۸۔

۲۲۔ عباس امانت ، *The Pivot of the Universe: Nasir al Din Shah Qajar and the Iranian Monarchy, 1831-1896.* (لندن، ۱۹۹۷ء) ، ص ۷۵۔

۲۳۔ اپنے مفہوم میں'' جنوبی ایشیا'' جغرافیائی اعتبار سے محض ہندوستان پر مشتمل نہیں، اس میں پاکستان ، بنگلہ دیش ، نیپال ، بھوٹان ، سکم ، سری لنکا، جزائر مالدیپ یہاں تک کہ برما اور افغانستان بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ مسلم عہد اور برطانوی اقتدار کے ماتحت یہ محدود سے محدود مفہوم میں برصغیر یا بلکہ برعظیم رہا ہے۔ زیرنظر جائزہ چوں کہ برطانوی عہد سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے یہاں جنوبی ایشیا سے مراد برعظیم ہندوستان ہے، جو پاکستان سے بنگلہ دیش تک پھیلا ہوا ہے۔

۲۴۔ ای میکلا گان (E. Maclagan)، *The Jesuits and the Great Mughal* (لندن، ۱۹۳۲ء)، ص ۲۱۱۔۲۱۵۔

۲۵۔ ایضاً ، ص ۲۰۸ ۔ ۲۰۹۔

۲۶۔ جنوبی ایشیا میں جو اوّلین مطبع قائم ہوا، اسے پرتگال کے جیسوٹ (Jesuits) مبلغین نے ۱۵۵۶ء میں جنوبی ساحلی شہر گوا میں اپنے قائم کردہ سینٹ پال کالج میں نصب کیا تھا۔ یہاں سے اکتوبر ۱۵۵۶ء سے ۱۵۸۱ء تک دس کتابیں شائع ہوئیں، جن میں سے دو کتابوں کا تعلق مقامی زبانوں تامل اور کونکنی سے تھا۔ گراہم شا (Graham Shaw)، *The South Asia and Burma Retrospective Bibliography (SABREB): Stage 1, 1556-1800* (لندن، ۱۹۸۷ء)، ص ۵؛ تصنیف محولہ میں مقامی مطابع میں شائع ہونے والی مطبوعات کا سنہ وار احاطہ کیا گیا ہے اور اس کا مقدمہ یہاں قائم ہونے والے مطابع پر جامع معلومات کا حامل ہے۔ جنوبی ایشیا میں مطابع کے قیام کی تاریخ کا جائزہ متعدد تصانیف میں ملتا ہے۔ اس موضوع پر مذکورہ مصنف کی تصنیف *Printing in Calcutta to 1800* (لندن، ۱۹۸۱ء)، تصنیف مذکورہ کی ابتدائی لیکن جامع صورت ہے۔ ان مآخذ کے علاوہ : بی ایس کساون، *History of Printing and Publishing in India* دو جلدیں (دہلی، ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۸۸ء)؛ اے کے پریولکر، *The Printing Press in India* (بمبئی، ۱۹۵۸ء)؛ کیتھرین ڈیہل (Katharine Diehl)، *Early India Imprints* (نیویارک، ۱۹۶۴ء) ، اس موضوع پر معلوماتی تصانیف ہیں۔

۲۷۔ تفصیلات کے لیے: رجک اسمٹسکمپ (Rijk Smitskamp) *Philologia Orientalis: A Description of Books Illustrating the Study and Printing of Oriental Languages in 16th and 17th Century Europe* (لائیڈن ، ۱۹۹۲ء)؛ پی ڈیشمس (P. Deschamps)، *L'imprimerie hors l'Europe* (پیرس ، اشاعت ثانی ، ۱۹۶۴ء )؛ اے ایم پیے مونتیسے ( A. M. Piemontese) *Bibliografia Italiana Dell'Iran, 1462-1982* ( نیپلز، ۱۹۸۲ء) ؛ نذیر احمد ، *Oriental Presses in the World* (لاہور، ۱۹۸۵ء)؛ سلیم الدین قریشی، اٹھارہویں صدی کی اردو مطبوعات ( اسلام آباد، ۱۹۹۳ء)۔





۲۸۔ مثلاً ٹرانکو بار سے ۲۷/ دسمبر ۱۹۲۷ء کو شائع ہونے والی تامل زبان کی کتاب : *Dialogvs Inter Moslimum et Christianum..* : مصنفہ: سی ٹی والتھر (C.T. Walther) کے سرورق پر انجیل کی ایک آیت کا عربی ترجمہ: الالــــہ واحــد وسیــط الــلـــــہ والــنـــاس واحد الانســان یسوع المسیح ۵ ، چوبی بلاک سے شائع کیا گیا تھا۔ گراہم شاہ ، SABREB ، ص ۶۱؛ یہ کتاب بعد میں ۱۷۴۰ء اور پھر ۱۷۵۳ء میں بھی شائع ہوئی۔ ایضاً؛ ونیز سلیم الدین قریشی ، تصنیف مذکور، ص ۱۲؛ بمبئی کے ایک مطبع میں، جسے ایک پارسی رستم جی کیشا پاتھی نے ۱۷۷۷ء میں قائم کیا تھا، ایک انگریزی اخبار *Bombay Courier* شائع ہوتا تھا۔ اس میں دیگر مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی اشتہار چھپتے تھے۔ جے۔ نٹراجن *History of Indian Journalism* ( دہلی ، اشاعت ثانی ، ۱۹۹۷ء )، ص ۶۹۔

۲۹۔ کلکتہ میں مطابع کے قیام اور طباعتی سرگرمیوں کی تاریخ کے لیے، بالخصوص : گراہم شا، تصانیف مذکور ؛ کساون، تصنیف مذکور، جلد اوّل ؛ ایس سین "Early Printers and Publishers in Calcutta" مشمولہ : *Bengal Past and Present* (۸۷) ۱۹۶۸ء ، ص ۵۹۔۶۶؛ ایس بی چودھری "Early English Printers and Publishers in Calcutta" مشمولہ : ایضاً ، ص ۶۷ ۔ ۷۷ ؛ پی ٹی نائر، (P.Thankappan Nair) ، *A History of the Calcutta Press* ( کلکتہ ، ۱۹۸۷ء )۔

۳۰۔ سوسن ایس۔ واڈلی (Susan S. Wadley) "Introduction." مشمولہ : *Media and the Transformation of Religion in South Asia.* : ایضاً، و لارنس اے باب (Lawrence A . Bob) ( فلاڈلفیا، ۱۹۹۵ء ) ، ص ۲۱۔

۳۱۔ تفصیلات کے لیے: کساون ، تصنیف مذکور، جلد اوّل ، ص ۱۸۹۔ ۱۹۱ وبعدہ ؛ نذیر احمد ، تصنیف مذکور، ص ۶۸ ۔۶۹ وبعدہ'۔

۳۲۔ پرسیول گرفتھس (Percival Grifths)، *The British Impact on India* (لندن ، ۱۹۵۲ء )، ص ۲۶۵۔

۳۳۔ اس ضمن میں طباعت و صحافت پر لارڈ ولیم بینٹنک (William Bentinck ، ۱۷۷۴ء۔۱۸۳۹ء ) کی رو داد ، مورخہ ۶/ جنوری ۱۸۲۹ء سے اس رویے کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ مشمولہ : سی ایچ فلپس (C. H. Phillips)، *Correspondence of Lord William Bentinck* جلد اوّل (اوکسفرڈ ، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۳۵ ۔ ۱۴۰۔

۳۴۔ مدراس ، بمبئی ، کلکتہ میں وہ جن مطابع سے کام لیتے رہے، ان کا حوالہ گراہم شا، SABREB میں ملتا ہے۔ مثلاً مدراس کے لیے ، ص ۹؛ بمبئی کے لیے ، ص ۱۰ ؛ کلکتہ کے لیے ، ص ۱۰ ۔ ۱۱۔

۳۵۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے قیام میں اس کی معاونت کے لیے : *Memoirs of Warren Hastings* مرتبہ : جورج آر گلیگ (George R. Gleig) ، جلد سوم ( لندن، ۱۸۴۱ء)، ص ۱۵۹؛ و نیز وارن ہیسٹنگز کی روداد ، مورخہ ۱۷/ اپریل ۱۷۸۱ء مشمولہ: ایچ شارپ (H.SHARP)، *Selection From the Educational Records. Part 1: 1781-1839* ( کلکتہ ، ۱۹۲۰ء)، ص ۸؛ مشرقی علوم کی تحقیقات اور ترجموں کے لیے اس کی حوصلہ افزا کوششوں اور تحریک و ترغیب کا مطالعہ و تجزیہ متعدد تصانیف میں ہے۔ اس موضوع کا ایک جامعہ احاطہ: او پی کیجاریوال (O.P.Kejarival) *The Asiatic Society of Bengal and the Discovery of India's Past, 1784-1838* (دہلی، ۱۹۸۸ء )، ص ۲۰۔۲۴؛ اس کی یہی ترغیب و حوصلہ افزائی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے قیام کی راہ ہموار کرنے کا سبب

بنی۔سوسائٹی کے قیام کے پس منظر اور اس کی سرگرمیوں کے لیے:ایضاً؛نیزڈیوڈکوف (David Kopf) *British Orientalism and the Bengal Renaissance: The Dynamics of Indian Modernization, 1773-1835.*(برکلے ، ۱۹۶۹ء)؛ ایس این مکرجی، *Sir William Jones: A Study in Eighteenth Century British Attitudes Towards India* ( کیمبرج، ۱۹۶۸ء)۔

۳۶۔ جونز کی فارسی دانی اور فارسی زبان وادب میں اس کے مطالعات کے لیے: گارلینڈ کینن(Garland Cannon) کی تصانیف: *Oriental Jones* (بمبئی، ۱۹۶۴ء)؛ *Sir William Jones: Annotated Bibliography of His Works* ( ہونو لولو ، ۱۹۵۲ء ) ؛ ونیز "Sir William Jones, Persian and Linguistics" مشمولہ: *Journal of the American Oriental Society* (۱۹۵۸ء): ص ۲۶۲ ۔۲۷۳۔

۳۷۔ فارسی میں ان کی خصوصی دلچسپی کا مطالعہ متعدد تصانیف میں ملتا ہے، برنارڈ ایس کون(Bernard S. Cohn)، *Colonialism and its Forms of Knowledge*،(پرنسٹن ، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۷ ۔ ۲۱ وبعد؛ میں اس پہلو کا ایک جامع تجزیہ ملتاہے۔تصنیف و تالیف میں ان کی کاوشوں کی ایک بنیادی کتابیات کے لیے: سید عبداللہ ’’ زبان فارسی و شرکت ہند شرقی ‘‘ مشمولہ: دانش ،شمارہ ۵۰ (اسلام آباد، ۱۹۹۷ء )۔

۳۸۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کی تاریخ پر معلوماتی کتابوں کی کمی نہیں۔ جدید مطالعوں میں سیسر کمار داس: *Sahibs and Munshis: An Account of the College of Fort William* ( دہلی، ۱۹۷۸ء) اور ڈیوڈکوف ،تصنیف مذکور، بنیادی مآخذ اور اہم معلومات کا جامع احاطہ کرتی ہیں۔

۳۹۔ چارلس ریو (Charles Riu) *Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum.* ، جلد اوّل (لندن،عکسی اشاعت،۱۹۶۶ء)،ص۲۳۔۲۴۔

۴۰۔ پیٹر مارشل(Peter Marshall)، "Hastings as Scholar and Patron" مشمولہ: *Statements, Scholars and Merchants* مرتبہ: این وہائٹمین (Anne Whiteman) ، ( اوکسفرڈ، ۱۹۲۳ء) ،ص ۲۴۳۔

۴۱۔ ڈبلیو ایچ ہٹن(W.H. Hutton)، "A Letter of Warren Hastings on the Civil Service of the East India Company." مشمولہ: *English Historical Review* (۱۹۲۹ء): ص ۶۳۵ ۔

۴۲۔ مکتوب ہالہیڈ بنام وارن ہسٹینگز، مورخہ ۱۳/نومبر ۱۷۷۸ء سے پتا چلتا ہے کہ’’ (مطبع میں ) بنگالی اور انگریزی زبان کی طباعت کے لیے ہر چیز مہیا کرلی گئی ہے اور فارسی ٹائپ بھی تکمیل کے مرحلے میں ہیں۔‘‘ مشمولہ: *Home Miscellaneous Series* نمبر ۲۰۷؛ چارلس ولکنس کی خدمات کے حوالے سے وارن ہیسٹنگز کا اعتراف ،ص ۱۹۵۔۲۰۲ ونیز *Catalogue of the Home Miscellaneous Series of the East India Office Records* (لندن، ۱۹۲۷ء)،ص ۱۳۹۔

۴۳۔ گراہم شاہ، SABREB ،ص ۱۴۰ ؛تصنیف مذکور، ص ۷۵

۴۴۔ "A Compendious Vocabulary, English and Persian..." ، گراہم شا ، SABREB ، ص ۱۴۶؛ سرورق کا عکس ، جس پر فارسی اشعار درج ہیں، نائر، (P.Thankappan Nair)،تصنیف مذکور، ضمیمہ ص ۱۸ پر دیکھا جاسکتا ہے۔





۴۵۔ متوفی ۱۶۲۱ ء ، ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی ، عہدِ جہانگیر ( ۱۶۰۵ء ۔ ۱۶۲۷ء) میں اعتبار خاں کا منشی تھا۔ اعتبار خاں کو جہانگیر نے ۱۶۲۲ء میں اکبر آباد کا صوبے دار مقرر کیا تھا۔تزک جہانگیری مرتبہ : سید احمد خاں، ( غازی پور، ۱۸۶۴ء)،ص ۱۰۶، ۱۱۵ وجابجا ؛ اعتبار خاں کے انتقال کے بعد ہرکرن اکبر آباد سے ملتان روانہ ہوا اور غالبا راستے میں ۱۶۲۵ء اور ۱۶۳۱ ء کے درمیان انشاے ہرکرن تالیف کی ۔ بزمی انصاری ، *Encyclopedia of Islam* جلد سوم ( لائیڈن، ۱۹۷۱ء)، ص ۲۲۵۔۲۲۶؛ ونیز سابقہ اشاعت ، جلد دوم ( لائیڈن ، ۱۹۲۷ء)، ص ۲۶۹ ۔ ۲۷۰؛ سید عبداللہ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ( دہلی ، ۱۹۴۲ء)، ص ۲۷ ؛ یہ بعد میں ۱۸۳۱ء میں اور پھر سنگی طباعت میں لاہور سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔ چارلس ریو (Charles Rieu) *Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum.* جلد دوم ( لندن، ۱۹۶۶ء)، ص ۵۳۰؛ اس کا قلمی نسخہ (ADD.26,140) برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔؛ مزید نسخوں کے لیے : ایضاً۔

۴۶۔ گراہم شاہ ،SABREB ، ص ۱۵۰، تصنیف محولہ دوم ، ص ۷۹؛ *Indian Gazette* ( کلکتہ ) نے ۲۹/دسمبر ۱۹۸۱ء کو اطلاع دی کہ یہ کتاب تقسیم کے لیے تیار ہے۔ ایضاً ۔ فارسی مراسلت وانشا کا مجموعہ، جس کے متوازی انگریزی ترجمہ بھی شامل تھا۔ آخر میں عربی الفاظ کی فرہنگ اور اشتقاقات دیے گئے تھے، جس کا اہتمام فرانسس بالفور(Francis Balfour ۱۷۶۹ء ۔ ۱۸۰۷ء؟) نے کیا تھا ،صفحات ۶۴؛ ڈیشمس ،تصنیف مذکور، ص ۲۹ ؛ یہ بعد میں ۱۸۰۴ء ، ۱۸۳۱ء اور پھر مطبع سنگی سے ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں(ADD.MS.26,140) موجود ہے۔ ریو، تصنیف مذکور، جلد دوم ، ص ۵۳۰؛ مزید دو نسخے بھی یہاں موجود ہیں، ایضاً، ۷۹۵، ۷۹۷۔

۴۷۔ مثلاً : ۱۱/اپریل ۱۷۸۰ء ( گراہم شا ، SABREB، ص ۱۴۳)؛ ۳ /نومبر ۱۷۸۰ء ( ایضاً، ص ۱۴۴ )؛ ۲/مارچ ۱۷۸۱ء (ایضاً، ص ۱۴۷)؛ ۳ /نومبر ۱۷۸۰ء ( ایضاً ، ص ۱۴۴)؛ ۲/مارچ ۱۷۸۱ء ( ایضاً ، ص ۱۴۷) ؛ ۶/اپریل ۱۷۸۱ء ( ایضاً ، ص ۱۴۸) ؛ ۵ / جولائی ۱۷۸۱ء(ایضاً ، ص ۱۴۹)۔

۴۸۔ ایضاً ، جابجا۔

۴۹۔ مقدمہ، انشاے ہرکرن *Forms of Herkeran* ( کلکتہ ، ۱۷۸۱ء)، ص ۶ ۔۷۔

۵۰۔ *Home Miscellaneous Series.* ؛ محولہ بالا ، ص ۴۶۳۔

۵۱۔ آر بی رامستھن (R. B. Ramsthan) "Extract From the Record of Government of India." مشمولہ: *Bengal Past and Present* (۱۹۲۵ء )، ص ۲۱۴ ۔ ۲۱۵۔

۵۲۔ انگلستان میں بھی وہ فارسی ٹائپ کی بہتری کے لیے کوشاں رہا۔ اسے غالبًا یہ احساس رہا کہ ٹائپ میں طباعت کے لیے نستعلیق کے مقابلے میں نسخ زیادہ بہتر اور باسہولت ہے، چناں چہ اس نے نسخ کو ترجیح دینی شروع کردی تھی۔ نذیر احمد ، تصنیف مذکور، ص ۶۳۔

۵۳۔ فارسی سے متعلق اٹھارویں صدی کی اس کی تالیفات کا اندراج گراہم شا، SABREB، ص ۳۶۹ اور متعلقہ صفحات پر ہے۔

۵۴۔ اس کا انگریزی نام تبدیل ہوتا رہا ہے، انھیں ایضاً ، ص ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۹۱ پر دیکھا جاسکتا ہے۔عربی نام تبدیل نہ ہوا۔ اس کے اوّلین دو شماروں میں ، جو علی الترتیب ستمبر ۱۷۸۵ء اور جولائی ۱۷۸۶ء میں شائع ہوئے ، ان اکابرِ ادب کی تخلیقات کا متن

اور ترجمہ شامل کیا گیا تھا: سعدیؔ ، جامیؔ ، حافظؔ، خسروؔ ، انوریؔ، رومیؔ ، نظامیؔ ، نعمت خاں عالی ۔ ان کے علاوہ تواریخ میں سے خزانۂ عامرہ ( آزادؔ بلگرامی) عالمگیر نامہ ( محمد قاسم )، تزکِ جہانگیری ،رقعاتِ عالمگیری سے اقتباسات دیے گئے تھے۔بعض تخلیقات پر مصنف کا نام درج نہیں۔عربی میں حریری اور اردو میں سوداؔ کی غزلیں شامل تھیں۔اس کے تیسرے شمارے ( جولائی ۱۷۸۹ء ) میں انشاے ابوالفضل، دہ مجلس ،بوستانِ سعدی ، تاریخِ طبری ، اخلاقِ ناصری ،اکبراور اورنگ زیب کے فرامین اور رقعاتِ عالمگیری کے اقتباسات اور ولیؔ دکنی کی اردو غزل شائع کی گئی۔

۵۵۔ *Calcutta Gazette* کے بارے میں، جو ہفت روزہ تھا اور ۴/مارچ ۱۷۸۴ء سے جاری ہوا اور ۱۸۱۵ء تک نکلتا رہا، ( گراہم شا، SABREB،ص ۱۵۸) یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس میں ابو طالب کلیم کی غزلیں ، بہارستانِ جامیؒ کی حکایات اور فارسی میں اشتہارات وغیرہ شائع ہوتے تھے۔عتیق صدیقی ، ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں (علیگڑھ ، ۱۹۵۷ء )،ص ۷۵۔

۵۶۔ جوزف کو پر (Joseph Cooper ) اور ڈینیل اسٹورٹ (Daniel Stuart) نے بھی اپنا ایک نجی مطبع قائم کررکھا تھا، جس میں نستعلیق کی ڈھلائی کا کام بھی ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ (John Gilchrist ، ۱۷۵۹ء ۔ ۱۸۴۱ء) کی مرتبہ *A Dictionary, English Hindoostani* ۱۷۸۶ء میں اسی مطبع سے شائع ہوئی تھی اور اس میں اسی مطبع میں تیار کیا گیا نستعلیق استعمال کیا گیا تھا۔ یہ لغت ۱۷۸۷ء اور ۱۷۸۹ء میں بھی شائع ہوئی ۔ اور اس کا دوسرا حصہ ۱۷۹۰ء میں شائع ہوا۔گراہم شا،SABREB ،ص ۱۷۱ ؛ اسی عرصہ میں ایک دوسرے مطبع Aaron Upjohn سے پند نامہ (سعدی) کا متن انگریزی ترجمے کے ساتھ ۱۷۸۸ء میں ( ایضاً،ص۱۹۲) اور دیوان حافظ مرزا ابو طالب اصفہانی (۱۷۵۲ء ۔ ۱۸۰۶ء ) کے اہتمام اور مقدمے کے ساتھ ۱۷۹۱ء میں شائع ہوئے (ایضاً ،ص ۲۲۷)۔ مقدمہ نگار نے اپنے مقدمے میں کلکتہ میں فارسی طباعت کے آغاز پر جو کچھ لکھا ہے، وہ اس وقت کی طباعت کے طریقۂ کار کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے اور غالبًا اس موضوع پر فارسی میں اوّلین تحریر ہے۔ملاحظہ فرمایئے علیحدہ حالیہ اشاعت، مشمولہ:تحقیق شمارہ ہشتم ( جام شورو: سندھ یونی ورسٹی ):ص ۵۱۹ ۔۵۲۲؛ اس وقت ان مطابع سے جو مزید کتابیں فارسی یا نستعلیق میں شائع ہوئیں، ان کا اندراج ، گراہم شاہ ، SABREB ص ۱۶۳ ، ۱۹۱ ، ۱۹۳ ، ۲۲۷، ۲۴۳، ۲۴۴ وغیرہ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ہالہیڈ کی مذکورہ بنگالی زبان قواعد میں شامل نستعلیق کی اشاعت کے بعد سے اٹھارویں صدی کے اختتام تک جو کتابیں دیگر مطابع سے نستعلیق یا نسخ میں جزوی عبارتوں کے ساتھ شائع ہوئیں، ان کا حوالہ گراہم شا، ایضاً میں جابجا دیکھا جاسکتا ہے۔ انشاے ہر کرن،پند نامہ ، دیوان حافظ کے علاوہ فارسی ( اورعربی و اردو ) کے جو متن اس عرصے میں علیحدہ یا ترجمے کے ساتھ شائع ہوئے ، ان میں لیلیٰ مجنوں ( ہاتفی ) ۱۷۷۸ء ( گراہم شا، ایضاً ص ۱۹۰)؛ طوطی نامہِ( نخشبی ) ۱۷۹۲ء ( ایضاً ،ص ۲۴۳) ؛ الفوائد السراجیہ ( سراج الدین محمد السراجیہ ) ۱۷۹۲ء ( ایضاً ،ص ۲۴۴)؛ الفاظ الادویہ ( نورالدین محمد عبداللہ شیرازی )۱۷۹۳ء ( ایضاً ،ص ۲۴۵) ; رسالہ در احکامِ عشر و خراج وبیان مالکانِ زمین ( امیر حیدر بلگرامی ) ۱۷۹۶ء ( ایضاً ،ص ۲۸۰)؛ کلیات سعدی جلد اوّل ، ۱۷۹۱ء ، جلد دوم ، ۱۷۹۵ء ( ایضاً ،ص ۲۲۹، ۲۷۲) قابل ذکر ہیں۔

۵۷۔ فورٹ ولیم کالج کے مطبع کے قیام کی تاریخ اور ملکیت پر اتفاق نہیں ہے۔ ۱۸۰۱ء میں حکومت نے سنجیدگی سے ایک سرکاری





مطبع کے قیام کا فیصلہ کیا اور منصوبہ تشکیل دیا۔ *Home Miscellaneous Serious* نمبر ۵۳۷(۹) ص۳۶ ۔۳۶۳ ونیز مطبوعہ ،ص ۳۰۵; اس بحث کے لیے : نذیر احمد ،تصنیف مذکور،ص ۱۶۴ ۔ ۱۶۸ ؛ عتیق صدیقی ،تصنیف مذکور ،ص ۴۳ ۔ ۴۴ ؛ یہی مصنف ، گلکرسٹ اور اس کا عہد ( دہلی ، ۱۹۷۹ء )،ص ۱۲۹ ۔ ۱۳۰ ; عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ( لکھنؤ ،۱۹۸۳ء )،ص ۹۵ ۔ ۹۸ ، وبعدہ ؛ نادر علی خاں، ہندوستانی پریس (لکھنؤ ، ۱۹۹۰ء )،ص ۲۵۵ ۔ ۲۶۸ ؛ گربچن چندن، جام جہاں نما : اردو صحافت کی ابتداء (دہلی،۱۹۹۲ء )،ص ۱۵ ۔ ۲۴ ؛ لیکن اس موضوع پر سسیر کمار داس نے مستند معلومات یکجا کی ہیں۔تصنیف مذکور ص ۸۲ ۔ ۸۶ ؛ فہرست مطبوعات کے لیے،ص ۱۵۴ ۔ ۱۶۴؛ ۱۸۲۰ء کے درمیان فارسی کی کل ۱۸ کتابیں شائع ہوئیں۔

۵۸۔ "Proceedings of the College of Fort William" مشمولہ: روبک، تھامس (Roeback, Thomas)، مورخہ ۲۷/ستمبر ۱۸۰۵ء ، جلد ۵۵۹، *Annals of the Fort William College* ( کلکتہ، ۱۸۸۱ء): ص ۴۵ ۔ ۴۶۔

۵۹۔ ان کی ابتدائی طباعتی سرگرمیوں کا جائزہ : ڈی سی میکمورترے (D.C. McMurtrie) ، *Early Mission Printing Presses in India.*، ( راجکوٹ ،۱۹۳۳ء ) ; ونیز یہی مصنف ، *The Beginning of Printing in India.* ( راجکوٹ ،۱۹۳۳ء ) میں ہے۔ان کے علاوہ کساون،تصنیف مذکور، جلد اوّل ،ص ۱۷۹ ۔ ۲۲۹؛ نکھیل سرکار "Printing and the Spirit of Calcutta" مشمولہ : *Calcutta, the Living City* جلد اوّل ، مرتبہ: سوکنتا چودھری ( کلکتہ ،۱۹۹۰ء )،ص ۱۲۸ ۔ ۱۳۶ میں ہے۔

۶۰۔ سوسن واڈلی ،تصنیف مذکور،ص ۲۲۔

۶۱۔ اس مطبع سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی ،علیگڑھ میں موجود ہے ۔ نادر علی خاں، ہندوستانی پریس: ۱۵۵۶ء تا ۱۹۰۰ء ( لکھنؤ ،۱۹۹۰ء ) ص ۲۶۸؛ اسی سال بمبئی میں ’’مطبع فردونجی مرزبان‘‘ قائم ہوا، جہاں سے ۱۹۱۵ء میں دبستان ( مذاہب ) کا ترجمہ گجراتی زبان میں شائع ہوا۔ ایضاً،ص ۸۵۔

۶۲۔ مسعود حسن رضی ادیب ’’ شاہان اودھ کا علمی ذوق‘‘ مشمولہ: نذرِ ذاکر مرتبہ: مجلسِ نذرِ ذاکر ( دہلی ، سنہ ندارد )،ص ۱۷۹۔

۶۳۔ عبدالحلیم شرر گذشتہ لکھنؤ ( لکھنؤ ۱۹۷۴ء )،ص ۱۴۲؛ حکیم محمود علی خاں ماہر تحقیقاتِ ماہر ص ۱۳۲ بحوالہ : نادر علی خاں ،تصنیف مذکور ،ص ۳۰۵ ۔ ۳۰۶۔

۶۴۔ ولد محمد بن علی بن ابراہیم یمنی شروانی۔ یمن سے فراغت تعلیم کے بعد ہندوستان آئے اور کلکتہ میں قیام کیا۔مدرسہ عالیہ اور فورٹ ولیم کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔لکھنؤ منتقل ہوکر غازی الدین حیدر کی ملازمت اختیار کی۔ غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد لکھنؤ چھوڑ کر مسافرت میں رہے اور پونا میں ۱۹/ ربیع الاوّل ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کو فوت ہوئے۔ الف لیلہ دو جلدوں میں ، المناقب حیدریہ اور تاج الامثال فی تاریخ بھوپال تصانیف میں ان سے یادگار ہیں۔ تفصیلات کے لیے : سید عبدالحئی نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ( کراچی ، ۱۹۷۸ء )،ص ۳۴ ؛ رحمان علی تذکرہ علماے ہند اردو ترجمہ محمد ایوب قادری ( کراچی ، ۱۹۶۱ء )،ص ۱۰۵؛ مالک رام تلامذۂ غالب (دہلی،۱۹۸۴ء )،ص ۲۰۹ ۔ ۲۱۰

۶۵۔ ستر ہزار روپے صرف اس کی منتقلی اور بار برداری میں خرچ ہوئے ۔ محمد ظہیر الدین بلگرامی ’’تقریظِ مصباح الہدایت‘‘

مشمولہ: تحقیق شمارہ ہفتم (جام شورو: سندھ یونی ورسٹی،۱۹۹۳ء ):ص ۱۵۹۔۱۶۰۔

۶۶۔ اس مطبع میں فارسی اورعربی کا جلی اورخفی کئی طرح کا بہت عمدہ ٹائپ موجود تھا۔مسعودحسن رضوی ادیب،تصنیف مذکور،ص ۱۷۹۔

۶۷۔ ولد قاضی علی احمد (۱۷۵۶ء ۔۱۸۲۴ء) ۔ ۱۷۷۹ء میں بلگرام میں پیدا ہوئے ۔کلکتہ میں تعلیم پائی، پھریمن جا کر شیخ احمد عرب کے شاگرد ہوئے ۔ واپس آ کرلکھنؤ میں طباعت کے کام سے منسلک ہوئے ۔ فاضل اور جید ادیب تھے۔تصانیف میں نفائس اللغات ، روضۃ الازہار، مفتاح اللسان، تذکرہ شعراے عرب وغیرہ یادگار ہیں۔تفصیلات کے لیے: مفتی محمد محمود عثمانی بلگرامی تفتیح الکلام فی تاریخ خطۂپاك بلگرام ( علی گڑھ،۱۹۶۰ء)،ص ۲۱۱؛ سید عبدالحئی،تصنیف مذکور،ص ۸۸ ۔ ۸۹؛ رحمان علی ،تصنیف مذکور،ص ۱۲۶ ۔ ۱۲۷۔

۶۸۔ ولد قاضی لعل۔ ۱۷۸۶ء میں ہوگلی میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۸ء میں وفات پائی۔لکھنؤ میں اودھ کے انگریز مدارالمہام کے منشی تھے۔ پھر غازی الدین حیدر کی ملازمت اختیار کی۔ ملک الشعرا کا خطاب پایا۔ غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد کانپور چلے گئے اور وہاں تحصیل دار مقرر ہوئے۔تصانیف میں مثنوی سراپا سوز ، صبحِ صادق ، حدیقۃ الارشاد ، بہارِ اقبال ، مفید المستفید ، ہفت اختر ،لوامع النور، گلدستۂ محبت ، بہارِ بے خزاں ، محامدِ حیدری ، نقودد الحکم ، مخزن الجواہر ، تذکرہ آفتاب عالمتاب معروف ہیں۔تفصیلات کے لیے: مظفرحسین صبا، روز روشن ( تہران، ۱۳۴۳)،ص ۴۰ ۔ ۴۱ ؛ صدیق حسن خان، شمع انجمن ( بھوپال،۱۲۹۳ھ )،ص ۶۳؛ قاضی عبدالودود، تعلیقات تذکرۂ ابن طوفان مولفہ ابن امین اللہ طوفان ( پٹنہ،۱۹۵۴ء )،ص ۶۰ ۔ ۶۵۔

۶۹۔ غازی الدین حیدر کی مدح میں ۲۰۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ یوسف الیامہ سرکیس معجم المطبوعات العربیہ المعربہ (قم ، ۱۴۱۰ھ ) ک ۱۱۳۱۔

۷۰۔ قاضی محمد صادق اختر کی تصنیف، جومطبع سلطانی سے ۱۸۲۳ء میں شائع ہوئی ۔صفحات :۳۸۸ + ۳۵، اے جے آربری *Catalogue of the Library of the India Office: Persian Books.*۔( لندن، ۱۹۳۷ء)،ص ۲۷۷۔

۷۱۔ محمد باقر ابن محمد تقی کی تصنیف ، جوشیعی مسائلِ عبادات پر مبنی تھی۔ یہ بعد میں لکھنؤ سے ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی۔ بلوم ہارٹ ،تصنیف مذکور، ک ۴۵۹ ۔۴۶۰۔

۷۲۔ مطبع سلطانی سے دو جلدوں میں ۱۸۲۲ء میں شائع ہوئی ۔صفحات: ۳۵۴ اور ۲۴۲ ۔ آربری،تصنیف محولہ بالا ،ص ۱۸۱؛ اس پر مصنف کے طور پر غازی الدین حیدر کا نام تحریر تھا۔نجم الغنی تاریخ اودھ جلد چہارم ( لکھنؤ ، ۱۹۱۹ء)،ص ۲۰۷ ۔ ۲۰۹ میں اس سے اختلاف کیا گیا ہے۔لیکن اس کا دیباچہ اور اس کی تنظیم وترتیب مقبول محمد نے انجام دی۔یہ لغت سات جلدوں میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی۔صفحات علی الترتیب : ۲۴۷؛ ۱۶۸؛ ۱۷۰؛ ۱۲۳؛ ۱۲۸؛ ۱۲۳؛ ۴۴۴۔ آربری، تصنیف محولہ بالا ،ص ۱۸۱ ؛ پھراس کا ایک ایڈیشن ۱۸۹۱ء میں ۱۱۷۰ صفحات پر مشتمل شائع ہوا۔شہر یار نقوی فرہنگ نویسی فارسی در ہندوپاکستان ( تہران، ۱۳۴۱)،ص ۲۱۷۔۲۲۰۔

۷۳۔ یہ عربی فارسی لغت سات جلدوں میں کل ۲۹۱۷ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی تھی۔مسعودحسن رضوی ادیب، لکھنویاتِ ادیب ( اسلام آباد، ۱۹۸۸ء) ،ص ۹ ۔ ۱۱ ؛ مزید تفصیلات کے لیے : یہی مصنف شاہان اودھ کا علمی ذوق ص۱۷۹؛ اے اشپرنگر (A. Sprenger) کے مطابق اس میں غازی الدین حیدر کے حکم پر متعدد اضافے ہوئے۔صفحات کی تعداد





پانچ ہزار تھی۔ *Report of the Researches into the Muhammadan Libraries of Oudh* ( کلکتہ، ۱۸۹۶ء )،ص ۲۔

۷۴۔ حکیم محمودعلی خاں ماہر تحقیقاتِ ماہر ،ص ۱۳۲ بحوالہ نادرعلی خاں،تصنیف مذکور، ۳۰۶ ؛ لیکن معاصر شہادت کے مطابق غازی الدین حیدر کی جانب سے شیخ احمد عرب پر عتاب نازل ہونے کی وجہ سے یہ مطبع بند کردیا گیا۔محمد ظہیرالدین بلگرامی، تصنیف مذکور،ص ۱۶۰؛ اور پھر دوبارہ محمد ظہیرالدین بلگرامی کے اہتمام سے جاری ہوا۔ ایضاً ،ص ۱۶۰۔۱۶۱۔

۷۵۔ اردو زبان کے کثیر الاشاعت روزنامہ جنگ نے لاہور سے یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء میں کمپیوٹر کے ذریعے نستعلیق میں اپنی اشاعت کا آغاز کیا۔*The Herald* ( کراچی، اکتوبر ۱۹۸۲ء): ص ۱۱۱۔

۷۶۔ ایل کارڈن (L. Cardon) اور ایچ ہوسٹن (H. Hostan) "Earliest Jesuits Printing in India." مشمولہ: *Journal of the Asiatic Society of Bengal* ( کلکتہ، مارچ ۱۹۱۳ء): ص ۱۴۹۔

۷۷۔ یہ خود رو پودوں کی طرح پھیل گئے تھے اور انھیں کی طرح جلد منظر سے غائب بھی ہوجاتے تھے۔ جوزف وارن (Joseph Warren)، *A Glance Backward at Fifteen Years of Missionary Life in North India* (فلاڈلفیا، ۱۸۵۶ء ، ۱۸۵۶ء)،ص ۴۵؛ اس کے تجارتی اور سماجی نقصانات کے چند پہلوؤں کا محمد ظہیر الدین بلگرامی نے احاطہ کیا ہے۔تصنیف مذکور،ص ۱۶۲۔۱۶۳۔

۷۸۔ ہندوستان میں طباعت میں نسخ اور نستعلیق میں ٹائپ کے تجربوں کا ارتقائی مطالعہ متعدد مصنفین کا موضوع رہا ہے۔ مرزا رفیق بیگ کا مقالہ'' نستعلیق ٹائپ '' مشمولہ: اردو، جلد ۹ ، شمارہ ۳۳ ( اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۹ء ): ص ۶۷ ۔۱۱۲ ، اپنے موضوع پر متعدد مسائل اور تاریخ کا ایک جامع احاطہ کرتا ہے۔ و نیز ہارون خاں شیروانی اردو رسم الخط اور طباعت (حیدرآباد دکن ، ۱۹۵۷ ء ) ؛ طارق عزیز اردو رسم الخط اور ٹائپ ( اسلام آباد، ۱۹۸۷ء ) ۔

۷۹۔ ایک اطلاع کے مطابق اوّلین سنگی مطبع کلکتہ میں ۱۸۱۰ء میں قائم ہوا تھا۔ رام رتن بھٹنا گر، *The Rise and Growth of Hindi Journalism.* ( الہ آباد ، ۱۹۴۷ء ؟ )،ص ۲۲؛ لیکن یہ درست نہیں۔ غالباً مصنف کا اشارہ مولوی اکرام علی (متوفی ۱۸۳۷ء ) کے مبینہ'' ہندوستانی پریس'' کی جانب ہے، جس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں بحث کے لیے: نادم سیتاپوری فورٹ ولیم کالج اور مولوی اکرام علی ( لکھنؤ ،۱۹۵۲ء ) متعلقہ باب ؛عتیق صدیقی ، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص ۱۲۹ ۔۱۳۰؛ یہی مصنف ، ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں ،ص ۴۳ ۔۴۴ ؛ گربچن چندن جامِ جہاں نما: اردو صحافت کی ابتداء ( دہلی،۱۹۹۲ء ) ،ص ۱۵ ۔ ۱۹؛ نادرعلی خاں،تصنیف مذکور،ص ۲۵۸، ۲۶۷ ۔ ۲۶۸۔

۸۰۔ آر ایچ فلمور (R.H. Phillmore)، *Historical Record of the Survey of India* ونیز پریولکر، تصنیف مذکور،ص ۱۰۳ ؛ لیکن اس ضمن میں'' ایشیاٹک لیتھوگرافک پریس'' کلکتہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اوّلین سنگی مطبع تھا، جو ۱۸۲۵ء میں قائم ہوا۔ ہرمن لوسٹی (Herman Losty) - "Sir Charles Oryly's Lithographic Press."، مشمولہ: *India: A Pageant of Prints* (بمبئی ، ۱۹۸۹ء): ص ۱۳۶ ، پھر اسی سال بمبئی ، مدراس اور پٹنہ میں بھی سنگی مطابع قائم ہوئے۔ ایضاً ،ص ۱۳۷ ۔ ۱۳۹ ۔

۸۱۔ پریولکر، تصنیف مذکور،ص ۱۱۱۔

۸۲۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے:.14724.h.1،بحوالہ : ایڈورڈ ایڈورڈز (Edward Edwards) *A Catalogue of the Persian Printed Books in the British Museum*( لندن ، ۱۹۲۳ء) ک۲۱۳؛ کتاب اور مصنف کے بارے میں تفصیلات کے لیے : سید حسن عسکری مقالاتِ سید حسن عسکری (پٹنہ، ۱۹۹۶ء)،ص ۳۹۷ ۔ ۴۰۷ ؛ و نیز تفصیلات کے لیے : ایم ایم مرزبان : *The Parsis in India* ‘جلد اوّل (بمبئی ، ۱۹۱۷ء)،ص ۲۰۰۔۲۰۱؛ مسئلہ کبیہ پر کتابیات کے لیے : ایضاً ،ص ۲۱۵؛ اور ملا فیروز کے لیے : ایضاً ،ص ۲۰۶ ۔ ۲۰۷

۸۳۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے: 757.913، بحوالہ : ایڈورڈ ایڈوارڈز ،تصنیف مذکور، ک ۵۵۵؛نادر علی خاں ،تصنیف مذکور،ص ۳۰۹ کے مطابق مالک رام ( دہلی ) کے کتب خانہ میں سنگی طباعت میں گلستان کا ایک نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۸ءموجود تھا۔

۸۴۔ اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے: 757.1.14، ایڈورڈ ایڈوارڈز ،تصنیف مذکور ،ص ۵۴۸؛ اس وقت تک کلکتہ میں دو سنگی مطابع : ایک ’’ گورنمنٹ لیتھوگرافک پریس‘‘ ، اور دوسرا ’’ ایشیاٹک لیتھوگرافک پریس‘‘ سرگرم تھے۔ تفصیلات کے لیے : نذیر احمد، تصنیف مذکور ،ص ۱۳۷۔

۸۵۔ اے ۔ اشپرنگر (A. Sprenger) *A Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of the King of Oudh* جلد اوّل ( کلکتہ ،۱۸۵۴ء ) مقدمہ ،ص ۵؛ لیکن *Bengal Political Consultations* مورخہ ۶/اکتوبر ۱۸۴۹ء کے مطابق آرچر نے اس مطبع میں محض ملازمت اختیار کی تھی، اور ایک شہادت کے مطابق منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں (متوفی ۱۸۳۷ء ) نے آرچر کو پانچ سو روپے ماہانہ قسطوں پر دیے تھے۔کمال الدین حیدر قیصر التواریخ جلد اوّل ( لکھنؤ ، ۱۸۹۶ء )،ص ۳۱۰ ؛ اودھ کا نائب مدارالمہام کرنل لاکٹ( Col. Lockett ) بھی اس مطبع کا مہتمم رہا،لیکن چوں کہ منتظم الدولہ سے اس کی موافقت نہ تھی ، اس لیے انھوں نے اس کو موقوف کرادیا۔ ایضاً ،ص ۲۹۹۔

۸۶۔ اشپرنگر، تصنیف مذکور، مقدمہ ،ص ۵۔

۸۷۔ کوکب قدر سجاد علی مرزا، واجد علی شاہ کی ادبی و ثقافتی خدمات( دہلی ، ۱۹۹۵ء )،ص ۵۰۷،۵۰۹۔

۸۸۔ تفصیلات کے لیے : عبدالحلیم شررؔ، تصنیف مذکور،ص ۱۴۳ و بعدہ ؛ نادر علی خاں، تصنیف مذکور، ۳۱۳ ۔ ۳۲۲؛ ۱۸۳۱ء میں ، کہ لکھنؤ میں ابھی سنگی طباعت کا آغاز ہی ہوا تھا، وہاں اس وقت کم از کم ۱۷ مطابع کام کررہے تھے۔ *Bengal Political Correspondence* ‘ مورخہ ۶/ اکتوبر ۱۸۴۹ء نمبر ۱۳۰ مخزونہ ’’ اورینٹل اینڈ انڈیا آفس کلیکشن‘‘ برٹش لائبریری ، لندن؛ اور ۱۸۳۴ء میں صوبہ متحدہ اور پنجاب میں مطابع کی تعداد ۳۷ تھی۔ گارساں دتاسی ،’’ ساتواں خطبہ ‘‘ مشمولہ اردو (اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۹ء )،ص ۳۷۲۔

۸۹۔ باربرا ڈی مٹکاف (Barbara D. Metcalf) *Islamic Revival in British India: Deoband,1860-1900* ( پرنسٹن ،۱۹۸۲ء )،ص ۱۹۸ ۔ ۲۰۳۔

۹۰۔ تصنیف مذکور، مقدمہ ،ص ۱۲ ۔ ۱۳۔

۹۱۔ اس سلسلے کی اہم کتابوں میں سے ،جن کا ایک جائزہ راقم کی تصنیف تحریک آزادی میں اردو کا حصہ ( کراچی ، ۱۹۷۶ء ) بالخصوص ص ۲۴۷ ۔ ۲۵۲ میں ہے، ونیز خواجہ احمد فاروقی اردو میں وہابی ادب ( دہلی ، ۱۹۶۷ء ): شاہ





عبدالعزیز کی تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ کلکتہ سے ٹائپ میں ۱۸۰۰ء میں شائع ہوچکی تھی۔ سید مقیت الحسن، کلکتہ کے قدیم مطابع اور ان کی مطبوعات : ایک تذکرہ ( کلکتہ ،۱۹۸۰ء )،ص ۱۴۲؛ جب کہ ۱۸۲۲ء کے مطبوعہ نسخہ کا ترجمہ مشمولہ تفسیر تبارک الذی بھی شائع ہوا۔ خدا بخش خاں، محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب (پٹنہ، ۱۸۹۸ء )،ص ۹۱؛ شاہ اسمٰعیل ( متوفی ، ۱۸۳۱ء ) کی اہم فارسی تصنیف صراط مستقیم ۱۸۲۳ء میں ٹائپ میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی ۔اس اشاعت کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے: .14724.d.2 ، بحوالہ : ایڈورڈ ایڈوارڈز ،تصنیف مذکور ، ک ۴۹۲ ؛ مجاہدین کی تصانیف کی طباعتی سرگرمیوں کا ذکر غلام رسول مہر، جماعتِ مجاہدین ( لاہور، سنہ ندارد )، ص ۲۸۷ ،۲۹۴ ، بالخصوص ص ۳۰۶ ۔ ۳۰۷ میں ہے۔

۹۲۔ گارسیں دتاسی(Garcin de Tassy)، *Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie* (پیرس ، ۱۸۳۹ء ۔ ۱۸۴۷ء ) ، جلد اوّل ،ص ۸۱ ۔ ۸۷ ؛ جلد سوم ،ص ۳۲ ۔ ۳۷؛ ایم احمد، *Saiyid Ahmad Shahid: His Life and Mission* ( لکھنؤ ، ۱۹۷۵ء )،ص ۳۱۲ ۔ ۳۱۳ ؛ غلام رسول مہر، جماعتِ مجاہدین (لاہور، سنہ ندارد )،ص ۲۸۷ ، ۳۰۵ ۔ ۳۰۹۔

۹۳۔ جے آر کالون (J.R. Colvin)‘ "Notices on Peculiar Text Held by the Followers of Syed Ahmed..." مشمولہ: *Journal of the Royal Asiatic Society of Bengal* (۱۸۳۲ء ):ص ۴۹۴۔

۹۴۔ عبدالحلیم شررؔ کے مطابق ’’ لکھنو کے ( مطبع مصطفائی اور ) نول کشور پریس نے یہاں تک عروج پایا کہ سارے مشرقی لٹریچر کو اس نے زندہ کردیا اور اعتبار اور وسعتِ طبع میں جو فوقیت لکھنؤ کو حاصل ہوگئی اور کسی شہر کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی کی برکت تھی کہ وسطِ ایشیا میں کاشغر و بخارا تک اور افغانستان و ایران کی ساری علمی مانگ لکھنؤ ہی پوری کررہا تھا۔‘‘ تصنیف مذکور ،ص ۱۴۴۔

۹۵۔ "Proceedings" مورخہ ۲۰ /فروری ، ۱۸۷۲ء ، مشمولہ : *Selections from Vernacular Newspapers Published in the Punjab, North Western Province, Oudh and the Central Provinces, 1860-1900.* ، پیرا گراف ۲۔

۹۶۔ کینتھ ڈبلیو جونز (Kenneth W. Jones) *Arya Dharm.* (برکلے، ۱۹۷۶ء )،ص ۲۰۔

۹۷۔ یہ طباعت ہی کا وسلیہ تھا کہ مناظراتی ادب کا ایک ذخیرہ مبلغین اور مناظرین کی معاونت کے لیے فراہم ہوگیا۔ ایمٹ ڈیوس(Emmett Davis)، *Press and Politics in British Western Punjab* ( دہلی‘ ۱۹۸۳ء ) ،ص ۲۴؛ ونیز سوسن واڈلی ،تصنیف مذکور،ص ۲۲۔

۹۸۔ شرر کا بیان ہے کہ ’’ طبع کا کام یہاں تاجرانہ اصول پر نہیں بلکہ شوقینی کی شان سے جاری ہوا۔ عمدہ سے عمدہ کاغذ لگایا جاتا، جو پتھر کے چھاپے کے لیے نہایت ہی موزوں تھا۔ بڑے بڑے خوش نویسوں کو مجبور کرکے اور بڑی بڑی تنخواہیں دے کے ان سے کتابت کا کام لیا جاتا۔۔۔ غرض ہر چیز اوّل درجے کی کام میں لائی جاتی ۔ اس اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ شاہی کے زمانے میں فارسی و عربی کی درسی و دینی کتابیں جیسی لکھنؤ میں چھپ کے تیار ہوئیں، اہلِ بصیرت کے نزدیک کہیں نہ چھپ سکی ہوں گی‘‘۔تصنیف مذکور،ص ۱۴۲ ۔ ۱۴۳۔

۹۹۔ محمد ایوب قادری، مولانا محمد احسن نانوتوی ( کراچی ، ۱۹۶۶ء)،ص ۷۱ ۔ ۷۹ میں بعض اہم مطبوعات کا حوالہ

ہے۔

۱۰۰۔ فرانسس رونبسن ،تصنیف مذکور،ص ۲۷۔

۱۰۱۔ باربرا مٹکاف ' تصنیف مذکور' ص ۱۰۴' ۱۷۱ ۔۲۰۲' ۲۰۴ ۔ ۲۰۶' ۲۴۳؛ فرانسس روبنس نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے لکھنؤ سے جریدہ طلسم لکھنؤ اور کچھ عرصہ بعد جریدہ کارنامہ کے اجراء کو خاص معنی دیے ہیں۔تصنیف مذکور، ص ۷۱ ؛ یہ دونوں جریدے علمائے فرنگی محل کے ایک بزرگ مولوی محمد یعقوب (متوفی ۱۹۰۷ء) نے جاری کیے تھے۔

۱۰۲۔ محمد عتیق صدیقی، صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات ومطبوعات (علی گڑھ' ۱۹۶۲ء)،ص ۳۳ ،۳۶ ،۲۰۳۔

۱۰۳۔ امیر حسن نورانی، منشی نول کشور: حالات و خدمات (دہلی ،۱۹۸۲ء)،ص ۴۷۔

۱۰۴۔ وینا اولڈ نبرگ(Veena Oldenburg)، *Making of Colonial Lucknow* (پرنسٹن، ۱۹۸۴ء)،ص ۲۳۶؛ اس مطبع کی خدمات کے خصوصی جائزے کے لیے: محمد ظہیر الدین بلگرامی، تصنیف مذکور؛ و نیز امیر حسن نورانی،تصنیف مذکور کے علاوہ: سوانح منشی نول کشور (پٹنہ، ۱۹۹۵ء) اور منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوش نویس (دہلی ،۱۹۹۴ء)۔

۱۰۵۔ اس وقت کی مقبول عام زبان کی حیثیت سے اردو (اور پھر ہندی) میں طباعت کے فروغ کے باعث جو تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اردو زبان کوطباعت کے عام ہونے کی وجہ سے جس طرح فروغ حاصل ہوا، اس کا ایک جامع تجزیہ ڈیوڈ لیلی ویلڈ(David Lellyveld) "The Fate of Hindustani: Colonial Knowledge and the Project of a National Language." مشمولہ: *Orientalism and the Postcolonial Predicament: Perspective on South Asia.* مرتبہ: سی اے بریکنرج (Carol A. Breckenridge) اور پی وی ڈی ویر (Peter van der Veer)، (فلاڈلفیا' ۱۹۹۳ء)، بالخصوص ص ۲۰۲۔۲۰۴ میں ہے۔لسانی لحاظ سے طباعت کے اوّلین نمونوں کے لیے: گاربورلؤ تصنیف مذکور' ص ۱۷۶ ۔ ۱۷۸' ۱۸۱ ۔ ۱۸۵۔

۱۰۶۔ جے کے مجمدار،"The Abolition of Persian as Court Language in British India." مشمولہ *Bombay University Journal*، ۱۶ (ستمبر ۱۹۴۷ء):ص ۱۳۱ و بعدہ ؛ ۱۸۳۷ء کے ضابطۂ قانون (۱۹) کے تحت گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل ہوگیا تھا کہ وہ فارسی کی جگہ انگریزی یا کسی مقامی زبان کو عدالتی اور انتظامی امور میں نافذ کرسکے ۔ ایضاً، ص ۱۳۶ ؛ اس نفاذ کو اگلے سال ۱۸۳۸ء میں مکمل طور پر عمل میں آجانا تھا، ایضاً، ص ۱۳۶ ۔ ۱۳۷ ؛ جب کہ صوبۂ متحدہ کے بعض علاقوں میں یہ فیصلہ ۱۸۳۵ء ہی میں نافذ کردیا گیا تھا۔تفصیلات کے لیے: کرسٹوفر آر کنگ (Christopher R. King)، *One Language Two Scripts: The Hindi Movement in 19th Century North India.* (بمبئی ،۱۹۹۴ء)،ص ۵۷۔

۱۰۷۔ اس احتجاج میں تقریباً دوسو ہندو بھی شامل تھے۔ مجمدار، تصنیف مذکور، ص ۱۳۷ ۔ ۱۳۸ ؛ انھوں نے فارسی کے حق میں جو دلائل دیے، رمیش چندر سریواستو نے ان کی پیش کردہ یادداشت سے ان کا احاطہ کیا ہے: *Development of the Judicial System in India under the East India Company,1833-58.* (لکھنؤ ، ۱۹۷۱ء)، ص ۱۹۹۔ ۲۰۱ ؛ کرسٹوفر کنگ،تصنیف مذکور،ص ۵۴۔۶۳' ۷۰۔۷۵ وغیرہ میں اس موضوع کا تفصیل سے احاطہ کیا گیا ہے۔

۱۰۸۔ ڈی ای رھوڈس (D.E. Rhodes) *The Spread of Printing, Eastern Hemisphere.*





(لندن، ۱۹۶۹ء) ص ۵۵۔

۱۰۹۔ مختلف شہروں میں قائم مطابع کی تفصیلات کے لیے: نادر علی خاں، تصنیف مذکور، معلوماتی ہے۔

۱۱۰۔ *Census Report*، (۱۹۱۱ء)' صوبۂ متحدہ ، حصہ اوّل ، ذیلی گوشوارہ X' ص ۲۷۷' بحوالہ فرانسس روبنسن، *Separatism Among Indian Muslims: The Politics of the United Provinces' Muslims 1860-1923.* (کیمبرج' ۱۹۷۴ء)،ص ۷۷۔

۱۱۱۔ یہ تعداد کرسٹوفر کنگ نے متعلقہ سالوں کی *North West Provinces and Oudh Quarterly Publication Report* سے اخذ کی ہے۔تصنیف مذکور،ص ۳۸۔

۱۱۲۔ ان کا اندراج سوسائٹی کی شائع کردہ فہرست مطبوعات: *Index to the Publications of the Asiatic Society, 1788-1953.* دو حصص (کلکتہ، ۱۹۵۹ء) میں دیکھا جاسکتا ہے، جب کہ عربی و فارسی مطبوعات کا اندراج، حصہ دوم ،ص ۳۳۹ ۔ ۳۵۶ میں ہے۔

۱۱۳۔ تقسیم ہندوستان کے بعد بھارت میں اردو کے بارے میں حکومت اور قوم پرست ہندو جماعتوں کے معاندانہ رویے کے لیے: بروس گراہم(Bruce Graham)، *Hindu Nationalism and Indian Politics* (کیمبرج، ۱۹۹۲ء)، ص ۹۹، ۱۱۱ ،۱۱۳۔۱۲۲ ، ۲۵۶ ؛ پی ۔ آر ۔ براس(P.R. Brass)، *Politics of India Since Independence* (کیمبرج ،۱۹۹۴ء)،ص ۱۵۸، ۱۶۲۔ ۱۶۸ ، ۱۷۹۔۱۸۲ ؛ ڈونلڈ ای ۔ اسمتھ (Donald E. Smith)، *India as a Secular State* (پرنسٹن ،۱۹۶۳ء)،ص ۴۲۳۔۴۲۷ ؛شریف المجاہد *Indian Secularism* (کراچی، ۱۹۷۰ء) ص ۱۶۰ ۔۱۷۶؛ عمر خالدی *Indian Muslims Since Independence* (دہلی، ۱۹۹۵ء) بالخصوص ص ۱۳۷۔ ۱۴۷۔

## مآخذ


احمد، ایم ۔ *Saiyid Ahmad Shahid: His Life and Mission*۔ لکھنؤ ، ۱۹۷۵ء۔

احمد، نذیر۔ *Oriental Presses in the World*۔ لاہور، ۱۹۸۵ء۔

ادیب،مسعود حسن رضوی۔'' شاہان اودھ کا علمی ذوق''۔ نذر ذاکر۔دہلی:مجلسِ نذرِ ذاکر، س۔ن۔

____________۔ لکھنویاتِ ادیب ۔ اسلام آباد، ۱۹۸۸ء۔

اسمتھ ،ڈونلڈ ای (Smith, Donald E.)۔ *India as a Secular State* ۔ پرنسٹن، ۱۹۶۳ء۔

اسمٹسکمپ، رجک (Smitskamp, Rijk)۔ *Philologia Orientalis: A Description of Books Illustrating the Study and Printing of Oriental Languages in 16th and 17th Century Europe*۔ لائیڈن ،۱۹۹۲ء۔

اشپرنگر، اے (Sprenger, A.)۔ *A Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of the King of Oudh* ۔ جلد اوّل۔کلکتہ، ۱۸۵۴ء ۔

____________________۔ *Report of the Researches into the Muhammadan Libraries of Oudh*۔ کلکتہ، ۱۸۹۶ء ۔

الزبتھ، ایل ایزنسٹن(Elizabeth L. Eisenstein)۔*The Printing Press as an Agent of Change: Communication and Cultural Transformation in Early-Modern Europe*۔کیمبرج، ۱۹۷۹ء۔

امانت،عباس۔ *The Pivot of the Universe: Nasir al Din Shah Qajar and the Iranian Monarchy, 1831-1896*۔لندن، ۱۹۹۷ء۔

انصاری، بزمی۔ *Encyclopedia of Islam*۔جلد سوم۔لائیڈن،۱۹۷۱ء: ص ۲۲۵۔۲۲۶ ؛ ونیز سابقہ اشاعت۔جلد دوم۔لائیڈن، ۱۹۲۷ء:ص ۲۶۹۔۲۷۰۔

اولڈنبرگ، وینا (Oldenburg, Veena)۔ *Making of Colonial Lucknow* ۔ پرنسٹن، ۱۹۸۴ء۔

ایڈورڈز، ایڈورڈ (Edwards, Edward)۔*A Catalogue of the Persian Printed Books in the British Museum*۔لندن، ۱۹۲۳ء۔

ایالون، امی (Ayalon, Ami)۔ *The Press in the Arab Middle East: A History*۔اوکسفرڈ، ۱۹۹۵ء۔

ایشیاٹک سوسائٹی اوف بنگال (Asiatic Society of Bengal)۔ *Index to the Publications of the Asiatic Society, 1788-1953*۔دوحصص۔کلکتہ، ۱۹۵۹ء۔

آربری، اے جے (Arberry, A. J.)۔*Catalogue of the Library of the India Office: Persian Books* ۔لندن، ۱۹۳۷ء۔

بالفور، فرانسس (Balfour, Francis)۔مقدمہ انشائے ہر کرن ۔ *The Forms of Herkeran*۔ کلکتہ، ۱۷۸۱ء۔

بامدار، مہدی۔ شرح حال رجال ایران ۔ جلد دوم۔تہران، ۱۳۵۷ش۔

براس، پی آر (Brass, P.R.)۔*Politics of India Since Independence*۔کیمبرج، ۱۹۹۴ء۔

براؤن، ای جی (Brown, E.G.)۔ *A Literary History of Persia* ۔ جلد چہارم۔کیمرج، ۱۹۵۳ء۔

________________________۔ *The Press and Poetry in Modern Persia*۔اشاعت ثانی۔لاس اینجلز، ۱۹۸۳ء۔

بلگرامی، محمد ظہیر الدین۔ ’’تقریظِ مصباح الہدایت‘‘ ۔تحقیق شمارہ ہفتم۔مجلّہ سندھ یونیورسٹی (۱۹۹۳ء): ص ۱۵۹۔۱۶۰۔

بلگرامی، مفتی محمد محمود عثمانی ۔ تفتیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاك بلگرام۔علی گڑھ، ۱۹۶۰ء۔

بھٹنا گر، رام رتن۔*The Rise and Growth of Hindi Journalism*۔ الٰہ آباد، ۱۹۴۷ء ۔

بیگ، مرزا رفیق ۔ ’’نستعلیق ٹائپ‘‘ اردو جلد ۹ ، شمارہ ۳۳ ۔ اورنگ آباد ( جنوری ۱۹۲۹ء): ص ۶۷ ۔۱۱۲۔

بیگم، عبیدہ۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ۔لکھنؤ، ۱۹۸۳ء ۔

پڈرسن، جے (Pederson, J.)۔ *The Arabic Book* ۔ مترجم جی ۔ فرنچ (G. French)۔مرتب آر ہیلن برانڈ (R. Hillenbrand)۔پرنسٹن، ۱۹۸۴ء۔

پریولکر، اے کے۔*The Printing Press in India*۔بمبئی، ۱۹۵۸ء۔

پیے مونٹیسے، اے یم (Piemontese, A. M.)۔*Bibliografia Italiana Della Iran, 1462-1982*۔نیپلز، ۱۹۸۲ء۔





جونز، کینتھ ڈبلیو (Jones, Kenneth W.)۔ *Arya Dharm* ۔ برکلے، ۱۹۷۶ء۔

چندن، گربچن۔جام جہاں نما: اردو صحافت کی ابتدا ۔ دہلی، ۱۹۹۲ء۔

چودھری، ایس بی۔ "Early English Printers and Publishers in Calcutta"۔ *Bengal Past and Present*۔ ۸۷ (۱۹۶۸ء): ص ۶۷ ۔ ۷۷۔

حیدر، کمال الدین۔ قیصر التواریخ ۔ جلد اوّل ۔لکھنؤ ، ۱۸۹۶ء۔

خالدی، عمر۔ *Indian Muslims Since Independence*۔ دہلی، ۱۹۹۵ء۔

خان، خدابخش۔ محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب۔ پٹنہ، ۱۸۹۸ء۔

خان، صدیق حسن۔ شمع انجمن ۔ بھوپال، ۱۲۹۳ھ۔

خان، نادر علی۔ ہندوستانی پریس ۔لکھنؤ، ۱۹۹۰ء ۔

داس، سیسر کمار۔ *Sahibs and Munshis: An Account of the College of Fort William* ۔ دہلی، ۱۹۷۸ء۔

دورا، واحد (Gdoura, Wahid)۔ *Le debut de l'imprimerie Arabe A'Istanbul et en Syrie: Evolution de l'Environnement Culturel, 1707-1787* ۔ تیونس، ۱۹۵۸ء۔

ڈیشمس، پی (Deschamps, P.)۔ *L'imprimerie hors l'Europe*۔اشاعت ثانی۔پیرس، ۱۹۶۴ء۔

ڈیوس، ایمٹ (Davis, Emmett)۔ *Press and Politics in British Western Punjab* ۔ دہلی، ۱۹۸۳ء۔

ڈیہل، کیتھرین (Diehl, Katharine)۔ *Early India Imprints* ۔ نیویارک، ۱۹۶۴ء۔

رام، مالک ۔تلامذۂ غالب ۔ دہلی، ۱۹۸۴ء۔

رامستھن، آر بی (Ramsthan, R. B.) ۔ "Extract From the Record of Government of India"۔ *Bengal Past and Present*۔ (۱۹۲۵ء): ص ۲۱۴ ۔ ۲۱۵۔

روبنسن، فرانسس (Robinson, Francis)۔ *Separatism Among Indian Muslims: The Politics of the United Provinces' Muslims, 1860-1923*۔کیمبرج، ۱۹۷۴ء۔

________________________۔ "Islam and the Impact of Print in South Asia." ۔ *The Transformation of Knowledge in South Asia*۔مرتب نجیل کروک (Negel Crook) ۔ اوکسفرڈ، ۱۹۹۶ء: ص ۶۲۔۹۷۔

روبک، تھامس (Roeback, Thomas)۔ "Proceedings of the College of Fort William." ۔ *Annals of the Fort William College* ۔ جلد ۵۵۹، مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۰۵ء۔کلکتہ (۱۸۱۸ء): ص ۴۵ ۔ ۴۶۔

روپر، جی (Roper, G.)۔ "The Export of the Arabic Books from Europe to the Middle East in the 18th Century"۔ *Proceedings of the 1989 International Conference on Europe and Middle East*۔اوکسفرڈ، ۱۹۸۹ء: ص ۲۳۳۔ ۲۶۶۔

روپر، جیوفرے (Roper, Jeoffery) ۔ "Faris al-Shidyaq and the Transition from Scribe to Print Culture in the Middle East"۔ *The Book in the Islamic World: The Written Word and*

عطیہ، جارج این (George N. Atiyeh)۔ مرتب۔ Communication in the Middle East۔ البانی، ۱۹۹۵ء۔

رھوڈس، ڈی ای (Rhodes, D.E.)۔ The Spread of Printing, Eastern Hemisphere۔ لندن، ۱۹۶۹ء۔

ریو، چارلس (Rieu, Charles)۔ Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum۔ جلد اوّل و دوم۔ عکسی اشاعت۔ لندن، ۱۹۶۶ء۔

سرکار، نکھیل۔ "Printing and the Spirit of Calcutta"۔ Calcutta, the Living City۔ مرتب سوکنتا چودھری۔ جلد اوّل۔ کلکتہ، ۱۹۹۰ء: ص ۱۲۸۔ ۱۳۶۔

سرکیس، یوسف الیامہ۔ معجم المطبوعات العربیہ المعربہ۔ قم، ۱۴۱۰ھ۔ ک ۱۱۳۱۔

سریواستو، رمیش چندر۔ Development of the Judicial System in India under the East India Company, 1833-58۔ لکھنؤ، ۱۹۷۱ء۔

سیتاپوری، نادم۔ فورٹ ولیم کالج اور مولوی اکرام علی۔ لکھنؤ، ۱۹۵۲ء۔

شا، گراہم (Shaw, Graham)۔ The South Asia and Burma Retrospective Bibliography (SABREB)۔ لندن، ۱۹۸۷ء۔

__________۔ Printing in Calcutta to 1800: A Description and Checklist of Printing in Late 18th Century Calcutta۔ لندن، ۱۹۸۱ء۔

شارپ، ایچ (Sharp, H.)۔ Selection From the Educational Records. Part 1: 1781-1839۔ کلکتہ، ۱۹۲۰ء۔

شرر، عبدالحلیم۔ گذشتہ لکھنؤ۔ لکھنؤ، ۱۹۷۴ء۔

شریف المجاہد۔ Indian Secularism۔ کراچی، ۱۹۷۰ء۔

شیروانی، ہارون خاں۔ اردو رسم الخط اور طباعت۔ حیدرآباد دکن، ۱۹۵۷ء۔

صبا، مظفر حسین۔ روز روشن۔ تہران، ۱۳۴۳۔

صدیقی، عتیق۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات ومطبوعات۔ علیگڑھ، ۱۹۶۲ء۔

__________۔ گلکرسٹ اور اس کا عہد۔ دہلی، ۱۹۷۹ء۔

__________۔ ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں۔ علیگڑھ، ۱۹۵۷ء۔

عبدالحئی، سید۔ نزہۃ الخواطر۔ جلد ہشتم۔ کراچی، ۱۹۷۸ء۔

عبداللہ، سید۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ۔ دہلی، ۱۹۴۲ء۔

__________۔ ''زبان فارسی وشرکت ہندشرقی''۔ دانش شمارہ ۵۰۔ اسلام آباد (۱۹۹۷ء)۔

عبدالودود، قاضی۔ تعلیقات تذکرۂ ابن طوفان۔ مولف ابن امین اللہ طوفان۔ پٹنہ، ۱۹۵۴ء۔

عزیز، طارق۔ اردو رسم الخط اور ٹائپ۔ اسلام آباد، ۱۹۸۷ء۔

عسکری، سید حسن۔ مقالاتِ سید حسن عسکری۔ پٹنہ، ۱۹۹۶ء۔





عقیل، معین الدین۔ تحریک آزادی میں اردو کا حصہ۔ کراچی، ۱۹۷۶ء۔

__________۔ ''تعلیقات تقریظ مصباح الہدایت'' تحقیق شمارہ ہفتم۔ مجلّہ سندھ یونیورسٹی (۱۹۹۳ء): ص ۱۲۹۔ ۱۸۶۔

علی، رحمان۔ تذکرہ علمائے ہند۔ اردو ترجمہ محمد ایوب قادری۔ کراچی، ۱۹۶۱ء۔

فاروقی، خواجہ احمد۔ اردو میں وہابی ادب۔ دہلی، ۱۹۶۷ء۔

فلپس، سی ایچ (Phillips, C. H.)۔ Correspondence of Lord William Bentinck۔ جلد اوّل۔ اوکسفرڈ، ۱۹۷۷ء۔

فلمور، آر ایچ (Phillmore, R. H.)۔ Historical Record of the Survey of India۔ کلکتہ، ۱۹۲۰ء۔

قادری، محمد ایوب۔ مولانا محمد احسن نانوتوی۔ کراچی، ۱۹۶۶ء۔

قریشی، سلیم الدین۔ اٹھارھویں صدی کی اردو مطبوعات۔ اسلام آباد، ۱۹۹۳ء۔

کارٹر، تھامس ایف (Carter, Thomas F.)۔ "Islam as a Barrier to Printing"۔ The Moslem World۔ ۳۳ (۱۹۴۳ء): ص ۲۱۳۔ ۲۱۶۔

کارڈن، ایل (Cardon, L.) اور ایچ۔ ہوسٹن (H. Hostan)۔ "Earliest Jesuits Printing in India."۔ Journal of the Asiatic Society of Bengal۔ کلکتہ (مارچ ۱۹۱۳ء)۔

کالون، جے آر (Colvin, J. R.)۔ "Notices on Peculiar Text Held by the Followers of Syed Ahmed..."۔ Journal of the Royal Asiatic Society of Bengal۔ (۱۸۳۲ء)۔

کساون، بی ایس۔ History of Printing and Publishing in India۔ دو جلدیں۔ دہلی، ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۸۸ء۔

کلکالیس سین۔ "Early Printers and Publishers in Calcutta"۔ Bengal Past and Present۔ ۸۷ (۱۹۶۸ء): ص ۵۹۔ ۶۶۔

کنگ، کرسٹو فر آر (King, Christopher R.)۔ One Language Two Scripts: The Hindi Movement in 19th Century North India۔ بمبئی، ۱۹۹۴ء۔

کوف، ڈیوڈ (Kopf, David)۔ British Orientalism and the Bengal Renaissance: the Dynamics of Indian Modernization,1773-1835۔ برکلے، ۱۹۶۹ء۔

کون، برنارڈ ایس (Cohn, Bernard S.)۔ Colonialism and its Forms of Knowledge۔ پرنسٹن، ۱۹۹۶ء۔

کیجاریوال، او پی (Kejarival, O. P.)۔ The Asiatic Society of Bengal and the Discovery of India's Past, 1784-1838۔ دہلی، ۱۹۸۸ء۔

کینن، گارلینڈ (Cannon, Garland)۔ Oriental Jones۔ بمبئی، ۱۹۶۴ء۔

__________۔ Sir William Jones: Annotated Bibliography of His Works۔ ہونولولو، ۱۹۵۲ء۔

__________۔ "Sir William Jones, Persian and Linguistics"۔ Journal of the American Oriental Society۔ (۱۹۵۸ء): ص ۲۶۲۔ ۲۷۳۔

گاربوریو، مارک (Garborieau, Marc)۔ "Late Persian, Early Urdu: The Case Wahabi Literature

"Confluence of Cultures: French Contributions to Indo-Persian (1818-1857) ـ
Studies ـ مرتب ایف ـ این ـ ڈیلوے (F. N. Delveoy) ـ دہلی، ۱۹۹۵ء ـ
گارساں دتاسی (Garcin de Tassy) ـ Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie ـ پیرس، ۱۸۳۹ء ـ ۱۸۴۷ء ـ
__________ ـ ''ساتواں خطبہ'' اردو اورنگ آباد (جنوری، ۱۹۲۹ء) ـ
گراہم، بروس (Graham, Bruce) ـ Hindu Nationalism and Indian Politics ـ کیمرج، ۱۹۹۲ء ـ
گرفتھس، پرسیول (Grifths, Percival) ـ The British Impact on India ـ لندن، ۱۹۵۲ء ـ
گلاسٹر، جی اے (Glaister, G. A.) ـ Encyclopedia of Books ـ لندن، ۱۹۹۶ء ـ
گلکرسٹ، جون (Gilchrist, John) ـ A Dictionary, English Hindoostani ـ کلکتہ، ۱۷۸۶ء ـ
للی ویلڈ، ڈیوڈ (Lellyveld, David) ـ "The Fate of Hindustani: Colonial Knowledge and the Project of a National Language." ـ Orientalism and the Postcolonial Predicament: Perspectives on South Asia ـ مرتب سی ـ اے ـ بریکنرج (C.A. Breckenridge) اور پی ـ وی ـ ڈی ـ ویر (P. V. D. Veer) ـ فلاڈلفیا، ۱۹۹۳ء ـ
لوسٹی، ہرمن (Losty, Herman) ـ "Sir Charles Oryly's Lithographic Press." ـ India a Pageant of Prints ـ بمبئی، ۱۹۸۹ء ـ
لیوس، برنارڈ (Lewis, Bernard) ـ Muslim Discovery of Europe ـ لندن، ۱۹۸۲ء ـ
مارشل، پیٹر (Marshall, Peter) ـ "Hastings as Scholar and Patron" ـ Statements, Scholars and Merchants ـ مرتب این وہائٹمین (Anne Whiteman) ـ اوکسفرڈ، ۱۹۲۳ء ـ
متفرقہ، ابراہیم ـ ''وسیلۃ الطبع'' انگریزی ترجمہ ـ The Book in the Islamic World: The Written Word and Communication in the Middle East ـ مرتب جارج ـ این ـ عطیہ (George N. Atiyeh) ـ البانی، ۱۹۹۵ء ـ
مٹکاف، باربرا ڈی (Metcalf, Barbara D.) ـ Islamic Revival in British India: Deoband, 1860-1900 ـ پرنسٹن، ۱۹۸۲ء ـ
مجمدار جے کے ـ "The Abolition of Persian as Court Language in British India." ـ Bombay University Journal ـ ۱۲ (ستمبر، ۱۹۴۷ء) ـ
مرزا، کوکب قدر سجاد علی ـ واجد علی شاہ کی ادبی و ثقافتی خدمات ـ دہلی، ۱۹۹۵ء ـ
مرزبان، ایم ایم ـ The Parsis in India ـ جلد اوّل ـ بمبئی، ۱۹۱۷ء ـ
مقیت الحسن، سید ـ کلکتہ کے قدیم مطابع اور ان کی مطبوعات: ایک تذکرہ ـ کلکتہ، ۱۹۸۰ء ـ
مکرجی، ایس این ـ Sir William Jones: A Study in Eighteenth Century British Attitudes Towards India ـ کیمبرج، ۱۹۶۸ء ـ





مہدی، محسن ـ "From the Manuscript Age to the Age of Printed Books" ـ The Book in the Islamic World : The Written Word and Communication in the Middle East ـ مرتب جارج ـ این ـ عطیہ (George N. Atiyeh) ـ البانی، ۱۹۹۵ء ـ
مہر، غلام رسول ـ جماعتِ مجاہدین ـ لاہور، س ـ ن ـ
میکلا گان، ای (Maclagan, E) ـ The Jesuits and the Great Mughal ـ لندن، ۱۹۳۲ء ـ
میکمورترے، ڈی سی (Mcmurtere, D. C.) ـ Early Mission Printing Presses ـ راجکوٹ، ۱۹۳۳ء ـ
__________ ـ The Beginning of Printing in India ـ راجکوٹ، ۱۹۳۳ء ـ
نائر، پی ٹی ـ A History of the Calcutta Press ـ کلکتہ، ۱۹۸۷ء ـ
نٹراجن، جے ـ History of Indian Journalism ـ اشاعت ثانی ـ دہلی، ۱۹۹۷ء ـ
نجم الغنی ـ تاریخ اودھ ـ جلد چہارم ـ لکھنؤ، ۱۹۱۹ء ـ
نقوی، شہر یار ـ فرہنگ نویسی فارسی در ہندوپاکستان ـ تہران، ۱۳۴۱ ـ
نورانی، امیر حسن ـ سوانح منشی نول کشور ـ پٹنہ، ۱۹۹۵ء ـ
__________ ـ منشی نول کشور اور ان کے خطاط و خوش نویس ـ دہلی، ۱۹۹۴ء ـ
__________ ـ منشی نول کشور: حالات و خدمات ـ دہلی، ۱۹۸۲ء ـ
واٹ، ترسا (Watt, Tersa) ـ Cheap Print and Popular Piety, 1550-1640 ـ کیمبرج، ۱۹۹۱ء ـ
واڈلی، سوسن ایس (Wadley, Susan S.) اور لارنس اے باب (Lawrence A . Babb) ـ "Introduction" ـ Media and the Transformation of Religion in South Asia ـ فلا ڈلفیا، ۱۹۹۵ء ـ
وارن، جوزف (Warren, Joseph) ـ A Glance Backward at Fifteen Years of Missionary Life in North India ـ فلاڈلفیا، ۱۸۵۶ء ـ
ہالہیڈ، نیتھنیل (Halhed, Nathaniel) ـ ''مکتوب نیتھنیل ہالہیڈ بنام وارن ہسٹنگز (Warren Hastings) مورخہ ۱۳ نومبر ۱۷۷۸ء'' ـ Catalogue of the Home Miscellaneous Series of the India Office Records ـ مرتب ہل، سیموئل چارلس (Hill, Samuel Charles) ـ لندن، ۱۹۲۷ء ـ نمبر ۲۰۷ ـ
ہٹن، ڈبلیو ایچ (Hutton, W. H.) ـ "A Letter of Warren Hastings on the Civil Service of the East India Company" ـ English Historical Review ـ ۱۹۲۹ء ـ
ہیسٹنگز، وارن (Hastings, Warren) ـ Memoirs of Warren Hastings ـ مرتب جورج آر گلیگ (George R. Gleig) ـ جلد سوم ـ لندن، ۱۸۴۱ء ـ